بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ

نضر اللہ امرءًا سمع منا حدیثًا فحفظہ حتی یبلغہ

ماہنامہ
اشاعۃ الحدیث
حضرو

صفر، ربیع الاول 1437ھ نومبر، دسمبر 2015ء

شمارہ نمبر
135
136

بانی
محدث العصر
حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ

آئینہ ان کو دکھایا تو برا مان گئے — فتنہ انکار حدیث اور عزیز اللہ بوہیو

ناقص نماز — سیدنا آدم علیہ السلام کے خط کا قصہ — شذرات الذہب

مستقل سلسلے > ○ احسن الحدیث ○ فقہ الحدیث ○ توضیح الاحکام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ

نضر اللہ امرءًا اسمع منا حدیثًا فحفظه حتی یبلغه

ماهنامه

اشاعة الحدیث

حضرو

135-136

بانی

محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ

جلد: 12 صفر، ربیع الاول 1437ھ نومبر، دسمبر 2015ء شمارہ: 12-11

مدیر: حافظ ندیم ظہیر

معاون مدیر: نصیر احمد کاشف

اس شمارے میں

قیمت

فی شمارہ 40 روپے
سالانہ 500 روپے
مع محصول ڈاک پاکستان

خط کتابت

مکتبة الحدیث

حضرو ضلع اٹک

ناشر حافظ شیر محمد الاثری 0300-5288783 مقامِ اشاعت مکتبة الحدیث حضرو - ضلع اٹک

تفسیر سورۂ مائدہ

﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۫ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ (٥/ المائدة: ٣٢، ٣٤)

''اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ بلاشبہ جس نے ایک جان کو کسی جان کے (عوض کے) بغیر یا زمین میں فساد کے بغیر قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے اسے زندگی بخشی تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی بخشی اور یقیناً ان کے پاس ہمارے رسول واضح دلائل لے کر آئے، پھر بلاشبہ ان میں سے بہت سے لوگ اس کے بعد بھی زمین میں حد سے بڑھنے والے ہیں۔ ان لوگوں کی جزا جو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کی کوشش کرتے ہیں، یہی ہے کہ انہیں بری طرح قتل کیا جائے یا انہیں بری طرح سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مختلف سمتوں سے بری طرح کاٹے جائیں، یا انہیں اس سرزمین سے نکال دیا جائے، یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لیے آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے۔ مگر جو لوگ اس سے پہلے توبہ کر لیں کہ تم ان پر قابو پاؤ تو جان لو! اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔''

فقہ القرآن

☆ ﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ....﴾ محدث احمد حسن دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''یہ آیت گویا ہابیل اور قابیل کے قصہ کا نتیجہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب ایک بھائی نے ایک ذرا سے حسد پر اپنے بھائی کو بے دھڑک مار ڈالا اور اس کے خون ناحق کا کچھ بھی خیال نہ کیا بلکہ آئندہ خون ناحق کا اوروں کے لیے دنیا میں ایک راستہ ڈال دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس گناہ عظیم کے روکنے کا یہ انتظام فرمایا کہ تورات میں بنی اسرائیل کو خون ناحق سے روکنے کے لیے یہ تاکید فرمادی کہ جو شخص ایک خون ناحق کرے گا تو اس کو خونِ ناحق کا پھیلانے والا شمار کیا جائے گا اور یہ رسم پھیل کر دنیا میں جس قدر خون ناحق ہوں گے ہر ایک خون کے وقت قابیل کی طرح اس رسم کے پھیلانے والے شخص کے نامۂ اعمال میں بھی ایک خون کا وبال لکھا جائے گا، اور جو شخص مظلوموں کی مدد کرے گا، خونِ ناحق کو روکے گا وہ شخص اس رسم بد کا روکنے والا اور ایک جہان بھر کی زیست اور امن کے اجر کا باعث ٹھہرے گا۔ آگے فرمایا کہ باوجود اس سخت حکم کے بنی اسرائیل کی جرأت قابیل سے بھی بڑھ گئی کہ انہوں نے عام لوگوں کے خون ناحق کے علاوہ انبیاء کے خون ناحق کی جرأت بھی کی جس کا خمیازہ ایک دن وہ بھگتیں گے...... صحیح مسلم (۱۰۱۷) میں جریر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) کی حدیث ہے جس میں (نبی کریم) صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص کسی نیک کام کا رواج پھیلائے گا اس کو اس کا بھی اجر ملے گا اور قیامت تک جو شخص اس نیک کام پر عمل کرے گا اس نیک کام پر عمل کرنے والے شخص (کے) برابر اس نیک کام کے رواج پھیلانے والے کو بھی اجر ملے گا۔'' پھر فرمایا: یہی حال بدکام کے رواج پھیلانے والے کا ہے۔ یہ حدیث اس آیت کی گویا تفسیر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اگرچہ یہود کے بارے میں ہے لیکن اس کے حکم میں امت محمد یہ بھی شریک ہے۔''(تفسیر احسن التفاسیر: ۲/ ۴۹)

☆ امام قتادہ رحمہ اللہ نے آیت: ﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ﴾ کی تلاوت کی تو فرمایا: (قتلِ ناحق) بہت بڑا گناہ ہے اور (کسی جان کو بچا لینا) اجر عظیم کا باعث ہے۔
(تفسیر طبری: ٤/ ٤٩١ و سندہ حسن)

☆ ﴿وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ﴾ یعنی ان کے پاس ہمارے رسول واضح دلائل و براہین لے کر آئے لیکن اس کے باوجود وہ گناہوں کے اعمال اور انبیاء و رسل کی مخالفت میں حد سے بڑھنے والے ہیں۔

☆ ﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ....﴾ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ فِي الْمُشْرِكِيْنَ"
دیکھئے سنن ابی داود (٤٣٧٢) و سندہ حسن.

جمہور اہل علم کے نزدیک یہ آیت عکل یا عرینہ قبیلے کے ان افراد سے متعلق ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام پر بیعت کرنے کے بعد انہوں نے آپ سے عرض کی: ہمیں اس شہر (مدینہ طیبہ) کی آب و ہوا موافق نہیں آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہمارے یہ اونٹ چرنے کے لیے باہر جا رہے ہیں تم بھی ان کے ساتھ وہاں چلے جاؤ۔ ان کا دودھ اور پیشاب پیو۔" وہ لوگ اونٹوں کے ساتھ چلے گئے وہاں انہوں نے ان کا دودھ اور پیشاب پیا تو صحت یاب ہو گئے بعد ازاں انہوں نے چرواہے پر حملہ کیا، اسے قتل کر کے اونٹوں کو ہانک کر لے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع پہنچی تو آپ نے ان کی تلاش میں آدمی بھیجے، چنانچہ ان کو گرفتار کر کے آپ کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔ آپ نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹنے کا حکم دیا اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروا دیں، پھر انہیں دھوپ میں پھینک دیا حتی کہ وہ مر گئے۔
(صحیح بخاری: ٤٧١٠، ٦٨١٠؛ سنن النسائی: ٤٠٢٩)

امام بخاری اور امام نسائی رحمہما اللہ نے مذکورہ آیت کے تحت ہی اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

☆ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محاربت کے مرتکب وہ لوگ ہیں جو ان کے ساتھ عداوت ظاہر کرتے ہیں اور قتل و غارت، کفر، لوٹ مار اور شاہراہوں کو غیر محفوظ بنانے کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اصحاب تفسیر کا اس سلسلے میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن آیت

کریمہ کے الفاظ سے یہی واضح ہوتا ہے کہ حاکم وقت انہیں ان چار سزاؤں میں سے کوئی سی بھی سزا دے سکتا ہے۔

☆ ﴿ اِلَّا الَّذِيۡنَ تَابُوۡا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَقۡدِرُوۡا عَلَيۡهِمۡ ﴾ یعنی ایسے لوگوں کا قصور معاف کر دیا کیونکہ ان کا گرفتار ہونے سے پہلے از خود اپنے آپ کو حوالے کر دینا یہ معنی رکھتا ہے کہ انہوں نے اپنے جرائم سے توبہ کر لی ہے۔(اشرف الحواشی، ص: ۱۳۶)

تفسیر السعدی (۱/ ۶۸۱) میں ہے کہ ''جب قابو پانے سے پہلے کی ہوئی توبہ محاربت کی حد کے نفاذ سے مانع ہے تو قابو پانے سے پہلے دیگر جرائم سے توبہ کا ان جرائم کی حدود کے نفاذ سے مانع ہونا زیادہ اولیٰ ہے۔'' (واللہ اعلم)

استغفار

''استغفار جب مفرد (تنہا) ذکر کیا جائے تو اس میں طلب مغفرت کے ساتھ توبہ کا مفہوم بھی شامل ہوتا ہے۔ مغفرت کے معنی ہیں: گناہ اور اس کے اثر کو مٹانا اور اس کے شر سے بچانا۔ اس کے معنی پردہ پوشی کے لینا درست نہیں کیونکہ پردہ پوشی اس پر بھی ہوتی ہے جس کی مغفرت اور معافی ہو چکی ہے اور اس کی بھی ہوتی ہے جس کے ساتھ ایسا نہیں ہوا، ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مغفرت کو پردہ پوشی لازم ہے اس کے حقیقی معنی گناہ کے شر سے بچانے کے ہیں۔ اسی لیے عربی میں ''خَوْد'' کو مغفر کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ سر کو دشمن کے حملے سے بچاتا ہے عمامہ کو مغفر نہیں کہا جاتا۔ اس میں ڈھانپنے کے معنی پائے جاتے ہیں، بچانے کے نہیں۔ یہی استغفار اللہ کے عذاب سے بچا سکتا ہے۔ گناہ پر اصرار کے باوجود مغفرت طلب کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا اس سے عذاب نہیں رک سکتا۔''

(تفسیری نکات وافادات از امام ابن القیم رحمہ اللہ، ص ۱۸۱)

تحقیق وتخریج: حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ — ترجمہ وفوائد: حافظ ندیم ظہیر

اضواء المصابیح

فقہ الحدیث

الفصل الأول

٥٣٧: عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: **((إِذَا جَآءَ أَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ))**. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

۵۳۷) سیدنا ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی نماز جمعہ کے لیے آئے تو اسے چاہیے کہ غسل کرے۔'' (متفق علیہ)

تخریج: متفق علیه، صحيح البخاري: ٨٧٧؛ صحيح مسلم: ٢/ ٨٤٤۔

٥٣٨: وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: **((غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ))**. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

۵۳۸) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر بالغ پر جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے۔'' (متفق علیہ)

تخریج: متفق علیه، صحيح البخاري: ٨٧٩؛ صحيح مسلم: ٥/ ٨٤٦۔

٥٣٩: وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: **((حَقٌّ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ أَنْ يَّغْتَسِلَ فِيْ كُلِّ سَبْعَةِ أَيَّامٍ يَّوْمًا، يَغْسِلُ فِيْهِ رَأْسَهٗ وَجَسَدَهٗ))**. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

۵۳۹) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ سات دنوں میں سے ایک دن غسل کرے جس میں اپنے سر اور جسم کو دھوئے۔'' (متفق علیہ)

تخریج: متفق علیه، رواه البخاري (٨٩٧) و مسلم (٩/ ٨٤٩)

فقہ الحدیث:

① جمعہ کے دن غسل کرنا، مسنون، افضل اور باعث اجر وثواب ہے۔

② مذکورہ احادیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ولازم ہے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے فرامین سے واضح ہوجاتا ہے کہ جمعہ کے دن غسل کرنا بہتر و افضل ہے، واجب ولازم نہیں۔ دیکھئے آنے والی حدیث: ۵۴۰۔

الفصل الثاني

٥٤٠: عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: **((مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَبِهَا وَنِعِمَتْ، وَمَنِ اغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ أَفْضَلُ))** . رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ

۵۴۰) سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس شخص نے جمعہ کے دن وضو کیا تو یہ کافی ہے اور اس نے اچھا کیا، جس نے غسل کیا تو غسل افضل ہے۔“

تحقيق الحديث: اسناده حسن

تخريج: مسند أحمد ٥/ ٨ ح ٢٠٣٤٩؛ سنن ابی داود:٣٥٤؛ سنن الترمذي: ٤٩٧ وقال: ”حسن“؛ سنن النسائي: ٣/ ٩٤ ح ١٣٨١؛ سنن الدارمي: ١/ ٣٦١، ٣٦٢ ح ١٥٤٨ و صححه ابن خزيمة: ١٧٥٧۔

فائدہ: حسن بصری نے مختصر الاحکام للحافظ الطوسی (۳/۱۰ح ۳۳۴/ ۴۶۷) میں سماع کی صراحت کر رکھی ہے اور ان کی حدیث سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح ہوتی ہے، اگرچہ انہوں نے سماع کی صراحت نہ کی ہو کیونکہ وہ سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ کی کتاب سے بیان کرتے تھے اور کتاب سے روایت کرنا بالکل صحیح ہے، اس میں کسی قسم کی جرح ثابت نہیں، والحمد للہ۔

فقه الحديث:

① یہی وہ حدیث ہے جو جمعہ کے دن وجوبِ غسل کو استحباب پر محمول کرتی ہے کیونکہ اس میں غسل کی جگہ وضو کفایت کر جانا واضح ہے۔

② صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی جمعہ کے دن غسل کو واجب نہیں سمجھتے تھے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۸۷۸)

③ مذکورہ حدیث سے جمہور اہل علم نے یہی استدلال کیا ہے کہ جمعہ کے دن غسل نہ کرنے کی بھی رخصت ہے، جیسا کہ امام ابوداود اور امام نسائی رحمہما اللہ وغیرہ کی تبویب سے بھی نمایاں ہے۔

(۴) پس ثابت ہوا کہ جمعہ کے دن غسل کرنا افضل و بہتر ضرور ہے لیکن واجب و لازم نہیں، تاہم اس کے اہتمام کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے اور اس فضیلت والے عمل سے بلا وجہ محروم نہیں رہنا چاہیے۔

توضیح الاحکام

سوال وجواب ❁❁❁ تخریج الاحادیث حافظ ندیم ظہیر

سوال: کیا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا لقب ''فاروق'' ثابت ہے؟ کیونکہ بعض اہل علم اس روایت کو سخت ضعیف قرار دیتے ہیں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا: ((أَنت الفاروق)) اب سوال یہ ہے کہ اس روایت کے ضعیف ہونے کے باوجود عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہا جاسکتا ہے؟ (حافظ افتخار عالم، کراچی)

جواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی نقل کردہ روایت محمد بن سائب کلبی (متروک ومتہم کی وجہ سے) سخت ضعیف بلکہ موضوع ہے، لیکن بعض آثارِ صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ''فاروق'' لقب سے معروف تھے۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا بیان ہے: ''وَجَدْتُّ فِی بَعْضِ الْکُتُبِ یَوْمَ غَزَوْنَا الْیَرْمُوْكَ: أَبُوْ بَکْرٍ الصِّدِّیْق أَصَبْتُمْ اسْمَهُ عُمَرُ الْفَارُوْقُ قُرِنَ مِنْ حَدِیْدٍ أَصَبْتُم اسْمَهُ'' میں نے غزوۂ یرموک کے دن (اہل کتاب) کی بعض کتابوں میں (یہ لکھا ہوا) پایا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ''الصدیق'' ہیں، تم نے ان کا یہ نام رکھ کر حق وصواب کو پا لیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ''الفاروق'' ہیں اور تم نے ان کا یہ نام رکھ کر حق وصواب کو پا لیا۔

(فضائل الصحابة للإمام احمد:۱/ ۱۲۰ ، ح: ۷٤ و سنده صحیح)

کتاب فضائل صحابہ کے محقق فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر وصی اللہ بن محمد عباس حفظہ اللہ نے بھی اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

اس اثر سے واضح ہوجاتا ہے کہ عہد نبوت میں بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ''فاروق'' لقب سے ملقب ومعروف تھے، لہٰذا سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہنا یا لکھنا بالکل درست اور جائز ہے۔

سوال: متوفیٰ کی والدہ حیات ہے، اب کیا اس کی موجودگی میں دادی کو بھی ترکہ

میں سے کچھ ملتا ہے یا نہیں؟ جواب عنایت کرکے شکریہ کا موقع دیں۔ (افسر علی خان، میانوالی)

جواب اگر متوفی کی والدہ حیات ہو تو اس کی موجودگی میں دادی اور نانی وراثت سے محروم ہو جاتی ہیں، کیونکہ مقرر ہے: "و یسقطن کلھن بالأم" یعنی ماں کی موجودگی میں ابویات اور امویات سبھی وراثت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں

سید تنویر الحق شاہ

☆ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے فتنے کے دور میں لوگوں کا جو معاملہ دیکھا اس میں ہمیشہ سے میری تمنا رہی کہ اللہ عزوجل میری عمر بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو لگا دے۔
(المنتقٰی من کتاب الطبقات لأبی عروبة الحسین بن محمد الحرانی:۱/ ۴۱ و سندہ صحیح)

☆ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر سخی اور حلیم و بردبار کوئی نہیں دیکھا۔
(تاریخ دمشق: ۵۹/ ۱۷۳ و سندہ حسن)

☆ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر اقتدار کے لیے موزوں کوئی شخص نہیں دیکھا۔
(السنة لأبی بکر بن الخلال:۲/ ۴۴۰، ح: ۶۷۷ و سندہ صحیح)

☆ سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے تمہارے اس امام (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ) سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی نماز پڑھنے والا کوئی نہیں دیکھا۔
(معجم الصحابة للبغوی: ۵/ ۳۶۷ و سندہ صحیح)

☆ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد اس دروازے والے (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ) سے بڑھ کر حق کے مطابق فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ (تاریخ دمشق: ۵۹/ ۱۶۰، ۱۶۱ و سندہ حسن)

ناقص نماز

قَالَ الْإِمَامُ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ: عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَعْقُوبَ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا السَّائِبِ، مَوْلَى هِشَامِ بْنِ زُهْرَةَ، يَقُولُ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: **((مَنْ صَلَّى صَلَاةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ هِيَ خِدَاجٌ هِيَ خِدَاجٌ غَيْرُ تَمَامٍ))**، قَالَ، فَقُلْتُ: يَاأَبَا هُرَيْرَةَ!إِنِّي أَحْيَانًا أَكُونُ وَرَاءَ الْإِمَامِ. قَالَ: فَغَمَزَ ذِرَاعِي، ثُمَّ قَالَ: اقْرَأْ بِهَا فِي نَفْسِكَ يَا فَارِسِيُّ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: **((قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: " قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي نِصْفَيْنِ، فَنِصْفُهَا لِي وَنِصْفُهَا لِعَبْدِي، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ))**، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: **((اقْرَءُوا يَقُولُ الْعَبْدُ: ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ يَقُولُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: حَمِدَنِي عَبْدِي.وَيَقُولُ الْعَبْدُ: ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ يَقُولُ اللّٰهُ: أَثْنَى عَلَيَّ عَبْدِي، وَيَقُولُ الْعَبْدُ: ﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ يَقُولُ اللّٰهُ: مَجَّدَنِي عَبْدِي، يَقُولُ الْعَبْدُ: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ فَهَذِهِ الْآيَةُ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ، يَقُولُ الْعَبْدُ: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَo صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ فَهَؤُلَاءِ لِعَبْدِي وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ))**.

ابوسائب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے، میں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ”جس آدمی نے نماز پڑھی اور اس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے، مکمل نہیں۔ (ابوسائب کہتے ہیں:)

میں نے کہا: اے ابو ہریرہ! میں کبھی امام کے پیچھے ہوتا ہوں (تب کیا کروں؟) انھوں نے میرا بازو دبایا، پھر فرمایا: اے فارسی! تب اپنے دل میں پڑھ لیا کرو، کیوں کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو فرماتے ہوئے سنا: ''اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے، پس اس کا نصف حصہ میرے لیے اور نصف میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کے لیے وہ کچھ ہے جو وہ مانگے۔''
رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ''پڑھو...... جب بندہ کہتا ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری تعریف کی۔ جب بندہ کہتا ہے: ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری حمد وثنا بیان کی۔ جب بندہ کہتا ہے: ﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ جب بندہ کہتا ہے: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ آیت میرے اور میرے بندے کے مابین تقسیم ہے اور میرے بندے کے لیے وہ کچھ ہے جو وہ طلب کرے اور جب بندہ کہتا ہے: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ سب میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کو وہ ملے گا جو وہ مانگے۔''

تخریج الحدیث: المؤطأ (١/ ٨٤، ٨٥) و أخرجه أبو داود (٨٢١) من حديث مالك به، و رواه مسلم في صحيحه(٣٩٥) من حديث مالك به مختصرًا۔

حکم الحدیث: إسناده صحيح

فقہ الحدیث:

۱) یہ حدیث بہت زیادہ فوائد پر مشتمل ہے جن میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے اور جس نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ باطل وفاسد ہے، خواہ نماز پڑھنے والا امام کے پیچھے ہو، کیوں کہ حدیث روایت کرنے والا اپنی حدیث کے

بارے میں زیادہ علم رکھتا ہے اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے خود ہی فتویٰ دیا کہ اُسے اپنے دل میں پڑھو۔ دل میں پڑھنے سے مراد یہ ہے کہ بلند آواز کی بجائے پست آواز میں پڑھو، جیسا کہ ملا علی القاری کی مرقاۃ (۲/ ۲۸۳) أشعة اللمعات (فارسي) (۱/ ۳۷۲) اور علامہ نووی کی شرح صحیح مسلم (۱/۱۷۰) و دیگر کتابوں میں موجود ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول: ''اسے دل میں پڑھو'' سے مراد یہ ہے کہ زبان سے لفظ آہستہ آواز میں ادا کرو نہ کے بلند آواز سے۔ واضح رہے کہ ان الفاظ کو تلفظ کے بغیر فقط ذکر قلبی پر محمول کرنا جائز نہیں، کیوں کہ اہل زبان کا اتفاق ہے کہ ایسی صورت میں اسے قراءت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ [كتاب القراءة (ص:۲۱) وفي نسخة (ص:۳۱، ۳۲)]

جناب انور شاہ کشمیری دیوبندی نے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو اس اثر سے مراد قراءت کی بجائے محض تدبر لیتے ہیں، دیکھیے [العرف الشذي (ص:۱۱۷) وفی نسخة (۷٦)]

صاحبِ ہدایہ (۱/ ۱۱۷) کہتے ہیں: ''مجرد زبان کی حرکت کو قراءت نہیں کہا جا سکتا جب تک اس کے ساتھ آواز شامل نہ ہو۔''

۲) امام حمیدی (۱۹۸/۲) ان سے ابو عوانہ (۱۲۸/۲) اسی طرح امام شافعی (ص:۳٦) اور دیگر محدثین بسند صحیح روایت کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن یعقوب نے کہا: میں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے عرض کی: میں امام کی قراءت سنتا بھی ہوں؟ انہوں نے مجھے اپنے ہاتھ سے پکڑا اور فرمایا: ''اے فارسی! اس (سورۂ فاتحہ) کو اپنے دل میں پڑھو۔''

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جہری نمازوں میں بھی فاتحہ خلف الامام کا ہی حکم دیا کرتے تھے۔ یاد رہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جہری اور سری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام کو واجب کہنے والے اکیلے صحابی نہیں، بلکہ سیدنا عمر بن الخطاب، عبادہ بن الصامت اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان کے موافق تھے اور یہی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح اور حسن سندوں کے ذریعے سے ثابت ہوتی ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور اکابر امت کا بھی یہی موقف ہے جس کی تفصیل میں نے اپنی کتاب ''الكواكب الدرية في

وجوب فاتحة خلف الإمام في الجهرية والسرية(اردو) ‘‘میں درج کی ہے۔

۳) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب جزء القراء ۃ (ص:٦٦) میں بسند صحیح سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، انہوں نے فرمایا: جب امام سورۂ فاتحہ پڑھے تو تم بھی پڑھو اور اس سے سبقت لے جاؤ۔ نیموی حنفی نے آثار السنن (۳۵۸) کے حاشیہ میں اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ یہ اثر ان لوگوں کی تمام باطل تاویلات کا خاتمہ کر دیتا ہے جو قراءت سے مراد تلفظ کی بجائے تدبر لیتے ہیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز خواہ امام کے پیچھے ہو یا کوئی تنہا پڑھ رہا ہو، جہراً ہو یا سراً، بہرصورت سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے، علامہ عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس ضمن میں ایک مضبوط تحقیق اپنی کتاب ’’تحقیق الکلام‘‘ میں پیش کی، انہوں نے ثابت کیا ہے کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا امام، مقتدی اور منفرد پر سرّی و جہری ہر دو نمازوں میں واجب ہے، جزاہ اللہ خیراً۔

امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لفظ ’’خداج‘‘ سے مراد ہے: نقصان اور فساد، جب اونٹنی قبل از وقت ناقص الخلقت بچہ جنم دے تو اہل عرب کہتے ہیں: أخدجت الناقة وخدجت[الاستذکار (٢/ ١٦٧)وفي نسخة(٤/ ١٩٢)] جن لوگوں کا دعویٰ ہے کہ ناقص نماز بھی جائز ہے، بعد ازاں ان لوگوں کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ نظریہ بذات خود غلط ہے، اس مسئلے کو بنظر غائر دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں کمی جائز نہیں، کیوں کہ اس طرح تو نماز ہی مکمل نہیں ہوتی اور جو آدمی نماز کو مکمل کیے بغیر ہی نماز سے باہر آ جائے تو اسے مکمل نماز دہرانی پڑے گی۔

[الاستذکار:(٢/ ١٦٨، ١٦٨)وفی نسخة(٤/ ١٩٣)]

۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: ((اقرؤوا)) بھی امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے وجوب پر دلالت کرتا ہے، کیوں کہ یہ صیغہ عام ہے جس کی تخصیص کسی دلیلِ خاص سے نہیں ہوتی۔

٦) اس روایت میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ حدیث بھی وحی (غیر متلو) ہے اور

اس امر پر امت کا اتفاق ہے۔

۷) حمدني (میری حمد بیان کی) مجدني (میری بزرگی بیان کی) أثنیٰ علي (میری ثنا بیان کی) ان سب سے مراد ہے کہ اس نے سورۂ فاتحہ پڑھی۔

۸) ''عام'' اپنے عموم پر اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک اسے کوئی دلیل خاص نہ کردے۔

۹) تعلیم کے دوران میں کسی فائدے کی غرض سے شاگرد کے ساتھ تادیبی انداز اختیار کیا جاسکتا ہے۔

۱۰) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خود فارسی نہیں تھے۔

۱۱) بعض علماء نے اس حدیث سے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ بسملہ (بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم) سورۂ فاتحہ کی آیت نہیں، لہٰذا بلند آواز سے نہیں پڑھی جائے گی، کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی سے ابتدا کرتے اور اس کی فضیلت بیان کرتے، لیکن درست بات یہ ہے کہ ما سوائے سورۂ توبہ کے بسملہ ہر سورت کے آغاز میں مستقل ایک آیت ہے، بکثرت دلائل سے ثابت ہے کہ اسے بلند اور پست دونوں طرح سے پڑھنا جائز ہے، میں نے اس بارے میں مکمل تحقیق اپنی کتاب ''هدیة المسلمین في الأربعین'' میں درج کی ہے، لہٰذا دونوں طرح درست ہے۔

رات کے کسی حصے میں آنکھ کھلے تو

ابو سلمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ سیدنا ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ نے انھیں بتایا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے کے قریب رات بسر کیا کرتے تھے۔ وہ رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنتے تھے: ((سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ)) ''اللہ پاک ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔'' پھر آپ فرماتے: ((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ)) ''اللہ پاک ہے اپنی تعریف کے ساتھ۔''

[صحیح، سنن أبی داود: ١٣٢٠، سنن الترمذی: ٣٤١٦، سنن ابن ماجه: ٣٨٧٩ واللفظ له]

حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ

انوار السنن فی تحقیق آثار السنن

بَابُ تَرْكِ الْجَهْرِ بِالتَّامِينِ قَالَ عَطَاءٌ: اٰمِيْنَ دُعَاءٌ وَ قَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً﴾

آمین بالجہر کے ترک کا بیان، عطاء نے کہا: آمین دعا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اپنے رب کو عاجزی اور خفیہ طور پر پکارو۔''

۳۸۱) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُعَلِّمُنَا يَقُوْلُ: ((لَا تُبَادِرُوا الْإِمَامَ إِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَ إِذَا قَالَ: ﴿وَ لَا الضَّآلِّيْنَ﴾ فَقُوْلُوْا: اٰمِيْنَ وَ إِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَ إِذَا قَالَ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا: اَللّٰهُمَّ رَبَّنَالَكَ الْحَمْدُ.)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

قَالَ النِّيْمَوِيُّ: يُسْتَفَادُ مِنْهُ أَنَّ الْإِمَامَ لَا يَجْهَرُ بِاٰمِيْنَ.

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تعلیم دیتے ہوئے فرماتے: ''امام سے آگے نہ بڑھو، جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو، جب وہ ﴿ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴾ (اور آمین) کہے تو تم آمین کہو اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللھم ربنا لك الحمد کہو۔'' اسے مسلم (۴۱۵) نے روایت کیا ہے۔

نیموی نے کہا: اس سے یہ فائدہ نکلتا ہے کہ امام آمین بالجہر نہیں کہتا۔

انوار السنن:

۱: یہ قول صحیح بخاری وغیرہ میں ہے اور اس میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ عطاء (بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا: سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ اور اُن کے مقتدی سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہتے تھے حتیٰ کہ مسجد میں گونج اور بلند آوازوں کا شور پیدا ہو جاتا تھا۔ دیکھئے حدیث نمبر ۳۸۰ کا حاشیہ

نیموی صاحب نے سابقہ اُمتوں میں سے ایک اُمت کی طرح ایک ہی قول کا ایک ٹکڑا بطورِ حجت نقل کر دیا اور باقی حصہ چھپا لیا ہے۔ دیکھئے سورۂ بقرہ آیت نمبر ۸۵

عطاء رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے معلوم ہوا کہ آمین ایسی دعا ہے کہ اسے جہراً پڑھنا چاہیے۔

۲: اس آیت کریمہ سے کسی صحابی، تابعی، تبع تابعی، مستند امام یا مستند مفسر نے یہ مسئلہ ہرگز اخذ نہیں کیا کہ آمین آہستہ کہنی چاہیے۔

یہ کہنا کہ ہر دعا ہمیشہ سراً (آہستہ آواز سے دل ہی میں) پڑھنی چاہیے باطل دعویٰ ہے کیونکہ بہت سی دعائیں جہراً بھی ثابت ہیں، مثلاً: ﴿ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ﴾ إلخ. بھی دعا ہے جو جہری نمازوں میں جہراً پڑھی جاتی ہے۔

دیوبندی تبلیغی جماعت کا ہر سال رائے ونڈ میں جو اجتماع ہوتا ہے، اس کے آخری دن (اتوار کو) جو لمبی دعا لاؤڈ سپیکر میں مانگی جاتی ہے اور لوگ آمین آمین کہتے رہتے ہیں، اس دعا کے بارے میں کیا خیال ہے، کیا یہاں بھی یہ آیت نافذ ہوتی ہے؟ اگر نہیں تو پھر محض آمین سے متعلق استدلال کرنے کا کیا مقصد ہے؟

عام اور سادہ سی بات ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعا جہراً پڑھی ہے وہ جہراً پڑھنی چاہیے اور جو سراً پڑھی ہے وہ سراً پڑھنی چاہیے۔

۳: اس حدیث سے نہ تو امام کے آمین بالجہر کہنے کی نفی ہوتی ہے اور نہ آمین بالسر کہنے کی۔ خود سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ امام آمین کہے تو تم آمین کہو۔ الخ

دیکھئے حدیث سابق: ۳۷۲

۳۸۲) وَعَنِ الْحَسَنِ أَنَّ سَمُرَةَ بْنَ جُنْدُبٍ رضی اللہ عنہ وَعِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ رضی اللہ عنہ

تَذَاكَرَا فَحَدَّثَ سَمُرَةُ بْنُ جُنْدُبٍ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ حفِظَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم سَكْتَتَيْنِ سَكْتَةٌ إِذَا كَبَّرَ وَ سَكْتَةٌ إِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ﴾ فَحفِظَ ذٰلِكَ سَمُرَةُ وَ أَنْكَرَ عَلَيْهِ عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ رضی اللہ عنہ فَكَتَبَا فِيْ ذٰلِكَ إِلٰى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ فَكَانَ فِيْ كِتَابِهٖ إِلَيْهِمَا أَوْ فِيْ رَدِّهٖ عَلَيْهِمَا أَنَّ سَمُرَةَ قَدْ حَفِظَ . رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ وَ اٰخَرُوْنَ وَ إِسْنَادُهٗ صَالِحٌ .

حسن (بصری، تابعی رحمۃ اللہ علیہ) سے روایت ہے کہ سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے درمیان مذاکرہ ہوا تو سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سکتے یاد کیے ہیں: ایک سکتہ جب آپ تکبیر (تحریمہ) کہتے اور ایک سکتہ جب آپ: ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کی قراءت سے فارغ ہوتے۔ پس سیدنا سمرہ نے اسے یاد رکھا اور سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے اس کا انکار کیا، پھر دونوں نے اس کے بارے میں سیدنا اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا تو انھوں نے اس کا جواب بھیجا کہ سمرہ رضی اللہ عنہ نے یاد رکھا ہے۔

اسے ابو داود (۷۷۹، ۷۸۰) اور دیگر (محدثین) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صالح ہے۔

انوار السنن: اس کی سند ضعیف ہے۔

اس میں قتادہ مدلس ہیں۔ (تقدم: ۲۵۹) اور یہ روایت عن سے ہے۔

تنبیہ: حسن بصری بھی مدلس ہیں، لیکن سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے اُن کی روایت سماع پر محمول ہوتی ہے۔ دیکھیے میری کتاب نیل المقصود فی التعلیق علی سنن اَبی داود (ص ۳۵۴) يَسَّرَ اللّٰهُ لَنَا طَبعَهٗ .

حسن بصری سے درج ذیل شاگردوں نے دوسرا سکتہ مکمل قراءت سے فارغ ہونے کے بعد نقل کیا ہے:

۱: **اشعث بن عبدالملک** (سنن اَبی داود: ۷۸۰ وسندہ صحیح)

۲: یونس بن عبید بن دینار العبدی (سنن أبی داود: ۷۷۷)

۳۸۳) وَ عَنْهُ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رضی اللہ عنہ أَنَّهٗ كَانَ إِذَا صَلّٰى بِهِمْ سَكَتَ سَكْتَتَيْنِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ وَ إِذَا قَالَ: ﴿وَ لَا الضَّآلِّيْنَ﴾ سَكَتَ أَيْضًا هُنَيَّةً فَأَنْكَرُوْا ذٰلِكَ عَلَيْهِ فَكَتَبَ إِلٰى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ فَكَتَبَ إِلَيْهِمْ أُبَيٌّ أَنَّ الْأَمْرَ كَمَا صَنَعَ سَمُرَةُ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الدَّارَقُطْنِيُّ وَ إِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ.

اور انھی (حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ) سے روایت ہے کہ سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ جب انھیں نماز پڑھاتے تو دو سکتے کرتے: ایک نماز شروع کرتے وقت اور دوسرا ﴿و لا الضالین﴾ کہتے وقت تھوڑی دیر کے لیے سکتہ کرتے تھے، لہٰذا لوگوں نے اُن پر انکار کیا تو انھوں نے سیدنا اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا، چنانچہ سیدنا اُبی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی طرف جوابی خط بھیجا کہ معاملہ وہی ہے جس طرح سمرہ رضی اللہ عنہ نے کیا ہے۔

اسے احمد (۵/۲۳ ح ۲۰۲۶۶) اور دارقطنی (۱/۳۳۶ ح ۱۲۶۰) نے روایت کیا اور اس کی سند صحیح ہے۔

انوار السنن: مخالفین و منکرین آمین بالجہر کا اس حدیث سے سراً آمین کشید کرنا درست نہیں کیونکہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت یونس بن عبید بیان کر رہے ہیں، انھی کی ایک روایت کے الفاظ ہیں: "قال سمرة: حفظت سكتتين فی الصلاة: سكتةً اذا كبر الإمام...... عند الركوع۔" سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، مجھے نماز میں دو سکتے یاد ہیں: ایک جب امام تکبیر کہتا ہے تو قراءت شروع کرنے تک اور دوسرا جب وہ فاتحہ اور (بعد والی) سورت کی قراءت سے فارغ ہو کر رکوع کرنا چاہتا ہے۔

(سنن أبی داود: ۷۷۷)

معلوم ہوا کہ نیموی صاحب کی بیان کردہ روایت قدرے مختصر ہے اور سنن أبی داود اور مسند احمد وغیرہ میں یہ روایت تفصیل سے مذکور ہے جس سے نیموی صاحب کا استدلال خود بخود باطل ٹھہرتا ہے کیونکہ حدیث میں دو سکتوں کا ذکر ہے، لہٰذا اگر نیموی صاحب کا استدلال

تسلیم کیا جائے تو تین سکتے بنتے ہیں جو کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔

علاوہ ازیں واضح اور صریح دلیل: ((اِذَا أَمَّنَ الْاِمَامُ فَأَمِّنُوْا)) ''جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔'' (صحیح البخاری: ۷۸۰، صحیح مسلم: ٤١٠) کے مقابلے میں غیر صریح اور مختصر حدیث سے اپنا موقف کشید کرنے پر نیموی صاحب جیسے لوگوں پر تعجب ہی کیا جا سکتا ہے۔ (ندیم)

۳۸٤) وَ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَلَمَّا قَرَاءَ: ﴿ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴾ قَالَ: اٰمِيْنَ وَ أَخْفٰى بِهَا صَوْتَهٗ وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى وَ سَلَّمَ عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَ عَنْ يَّسَارِهٖ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ أَبُوْ دَاوٗدَ الطَّيَالَسِيُّ وَ الدَّارَقُطْنِيُّ وَ الْحَاكِمُ وَ اٰخَرُوْنَ وَ إِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ. وَ فِيْ مَتْنِهٖ اِضْطِرَابٌ.

اور سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمیں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی، جب آپ نے ﴿ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴾ پڑھا تو آپ نے آمین کہی اور اپنی آواز خفیہ رکھی اور اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا اور اپنے دائیں اور بائیں طرف سلام پھیرا۔

اسے احمد (۴/۳۱٦) ترمذی (۲۴۸) ابوداود الطیالسی (۱۰۲۴) دارقطنی (۱/۳۳۴ ح ۱۲۵٦) حاکم (۲/۲۳۲) اور دوسروں نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے اور اس کے متن میں اضطراب ہے۔

انوار السنن: یہ ضعیف ہے۔

اس روایت کی سند کئی وجہ سے ضعیف ہے، مثلاً:

اول: امام بیہقی فرماتے ہیں: "وَقَدْ أَجْمَعَ الْحُفَّاظُ : مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمَاعِيْلَ الْبُخَارِيُّ وَغَيْرُهُ عَلٰى أَنَّهُ أَخْطَأَ فِي ذٰلِكَ" اور حفاظِ حدیث (مثلاً) محمد بن اسماعیل البخاری (رحمہ اللہ) وغیرہ کا (اس بات پر) اجماع ہے کہ انھیں (شعبہ کو) اس حدیث میں غلطی لگی ہے۔ (معرفة السنن والآثار ۲/ ۳۹۰)

ظاہر ہے کہ محدثین کرام کے اجماع کے مقابلے میں نیموی صاحب وغیرہ کی بات کون سنتا ہے؟

دوم: خودشعبہ کی دوسری روایات میں آیا ہے کہ "قال آمین" آپ (ﷺ) نے آمین کہی۔ (صحیح ابن حبان ٣/ ١٤٦ ح ١٨٠٥)

سوم: شعبہ نے روایت بالا میں دو ثقہ وصدوق راویوں (سفیان ثوری اور علاء بن صالح) کی (وہم کی وجہ سے) مخالفت کی ہے، لہٰذا اُن کی روایت شاذ اور جماعت کی روایت محفوظ ہے۔

چہارم: نیموی صاحب نے بذاتِ خود بھی شعبہ کی روایت میں اضطراب تسلیم کر کے لکھا ہے: " فَغَايَةٌ أَنَّ الْحَدِيْثَ مُضْطَرَبٌ لَايَصِحُّ اَلِاحْتِجَاجُ لِأَحَدِ الْفَرِيْقَيْنِ...... "بہرصورت یہ حدیث مضطرب ہے، دونوں فریقوں میں سے کسی کا اس سے حجت پکڑنا صحیح نہیں ہے۔ (التعلیق الحسن ص١٩٦)

پھر اسے نیموی صاحب اور ان کی پارٹی والے بطورِ حجت کیوں پیش کر رہے ہیں؟ اور ساتھ ہی قلابازیاں بھی کھا رہے ہیں۔

پنجم: جناب انور شاہ کشمیری دیوبندی نے کہا: اور یہ عجائب میں سے ہے کہ شعبہ آمین بالجہر کے قائل ہیں۔ (فتح الباري ٢/ ٢٩٦)!!

ششم: محدثین کرام نے شعبہ اور ثوری کے اختلافات میں ہمیشہ ثوری کو ترجیح دی ہے۔

ہفتم: طحاوی نے شعبہ کو غیر فقیہ قرار دے کر امام مالک اور سفیان ثوری کے مقابلے میں شعبہ کی روایت پر مفصل جرح کی ہے۔ دیکھئے مشکل الآثار (٤/ ٦)

لہٰذا طحاوی کے نزدیک شعبہ کی یہ روایت فاسد ہے۔

ہشتم: شعبہ کی یہ روایت سیدنا وائل رضی اللہ عنہ سے مروی دوسری روایات کے خلاف ہے۔

نہم: خود امام شعبہ کہتے تھے کہ سفیان ثوری مجھ سے زیادہ حافظ ہیں۔

دہم: سفیان ثوری کی تو متابعت موجود ہے لیکن روئے زمین پر شعبہ کی کوئی متابعت موجود

نہیں ہے۔ وَغَيْرُ ذٰلِكَ .

۳۸۵) وَ عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ قَالَ: كَانَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ وَ عَلِيٌّ رضی اللہ عنہ لَا يَجْهَرَانِ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَ لَا بِالتَّعَوُّذِ وَ لَا بِاٰمِيْنَ . رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَ ابْنُ جَرِيْرٍ وَّ إِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ .

اور ابو وائل (شقیق بن مسلم رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ دونوں نہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وتعوذ جہراً پڑھتے تھے اور نہ آمین ہی جہراً پڑھتے تھے۔

اسے طحاوی (۲۰۴/۱) اور ابن جریر (؟) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

انوار السنن: اس کی سند ضعیف، منکر اور مردود ہے۔

ابوسعد البقال جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف، مجروح اور مدلس ہے۔

نیموی صاحب کہتے ہیں: "و إسناده ضعيف"

عرض ہے کہ پھر اس روایت کو یہاں متن میں لکھنے اور پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

عبدالقیوم حقانی دیوبندی نے ابوسعد البقال سعید بن المرزبان کے بارے میں شعبدہ بازی کرتے ہوئے لکھا ہے: ''اس سے معلوم ہوا کہ یہ امام بخاری کے نزدیک بھی ثقہ ہیں لہٰذا ان کی روایت درجۂ حسن سے کم درجے کی نہیں۔'' (توضیح السنن ج ۱ ص ۶۱۹)

حقانی صاحب اور نیموی صاحب دونوں پہلے آپس میں مسئلہ طے کرلیں، کیونکہ نیموی صاحب تو ابوسعد البقال کی وجہ سے اس روایت کو ضعیف قرار دے رہے ہیں اور اپنی سابقہ تالیفات سے علانیہ رجوع کررہے ہیں اور حقانی صاحب جمہور محدثین کے خلاف، ابوسعد البقال کی تدلیس سے آنکھیں بند کرتے ہوئے روایت کو درجۂ حسن تک پہنچا رہے ہیں۔ سبحان اللہ!

تنبیہ: حدیث نمبر ۳۴۵ کے تحت انوار السنن میں گزر چکا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہراً پڑھی۔ (مصنف ابن ابی شیبة ۱/ ٤١٢ وسنده صحيح)

لہٰذا ابوسعد البقال (ضعیف عند الجمہور اور مدلس) کی روایت اس صحیح حدیث کے

خلاف ہونے کی وجہ سے منکر اور مردود ہے۔

۳۸۶) وَ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ قَالَ: خَمْسٌ يُّخْفِيْهِنَّ الْإِمَامُ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ وَ التَّعَوُّذُ وَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَ اٰمِيْنَ وَ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَالَكَ الْحَمْدُ . رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ فِيْ مُصَنَّفِهٖ وَ إِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ .

اور ابراہیم (نخعی) سے روایت ہے کہ پانچ چیزیں امام خفیہ کہے گا: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ...... ، تعوذ، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ، آمین اور اللّٰھم ربنا لك الحمد . اسے عبدالرزاق نے اپنی مصنف (۲/ ۸۷ ح ۲۵۹۷) میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

انوار السنن: اس کی سند ضعیف ہے۔

اس میں امام عبدالرزاق ثقہ مدلس ہیں۔(تقدم:۲۱) اور یہ روایت عن سے ہے۔

ایک اور روایت حماد بن ابی سلیمان سے مروی ہے، لیکن اس کی سند بھی ضعیف ہے کیونکہ حماد مدلس و مختلط ہیں۔

بَابُ قِرَاءَةِ السُّوْرَةِ بَعْدَ الْفَاتِحَةِ فِى الْأَوَّلَيْنِ

پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت پڑھنے کا بیان

۳۸۷) عَنْ أَبِيْ قَتَادَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَقْرَأُ فِى الظُّهْرِ فِى الْأُوْلَيَيْنِ بِأُمِّ الْكِتَابِ وَ سُوْرَتَيْنِ وَ فِى الرَّكْعَتَيْنِ الْأُخْرَيَيْنِ بِأُمِّ الْكِتَابِ وَ يُسْمِعُنَا الْاٰيَةَ وَ يُطَوِّلُ فِى الرَّكْعَةِ الْأُوْلٰى مَا لَا يُطِيْلُ فِى الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ وَ هٰكَذَا فِى الْعَصْرِ وَ هٰكَذَا فِى الصُّبْحِ . رَوَاهُ الشَّيْخَانِ .

سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور دو سورتیں اور آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے، اور (بعض اوقات)

آپ ہمیں ایک آیت (یا دو آیتیں) سنا دیتے تھے۔ آپ پہلی رکعت لمبی کرتے تھے جبکہ دوسری رکعت (پہلی کی نسبت) لمبی نہیں کرتے تھے اور اسی طرح عصر اور صبح کی نماز میں کرتے تھے۔ اسے شیخین (بخاری: ۷۵۹، مسلم: ۴۵۱) نے روایت کیا ہے۔

انوار السنن:

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ چاروں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھی جا سکتی مگر آلِ تقلید یہ کہتے ہیں کہ آخری دو رکعتوں میں اگر کوئی شخص کچھ بھی نہ پڑھے بلکہ چُپ کھڑا رہے تو اس کی نماز جائز ہے۔ سبحان اللہ!

۳۸۸) وَ عَنْ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعَمٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ: یَقْرَأُ فِی الْمَغْرِبِ بِالطُّوْرِ. رَوَاہُ الْجَمَاعَۃُ إِلَّا التِّرْمَذِيَّ.

اور سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مغرب (کی نماز) میں سورۂ طور پڑھتے ہوئے سنا ہے۔

اسے ترمذی کے سوا ایک جماعت (بخاری: ۷۶۵، مسلم: ۴۶۳، ابو داود: ۸۱۱، نسائی ۲/ ۱۶۹ ح ۹۸۸، ابن ماجہ: ۸۳۲، احمد ۴/ ۸۴) نے روایت کیا ہے۔

انوار السنن:

اس حدیث میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا ذکر نہیں، اور عدمِ ذکر نفی ذکر کی ہمیشہ دلیل نہیں ہوتا بلکہ دوسری احادیث صحیحہ متواترہ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے اور یہ کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی، لہٰذا اس حدیث کا مطلب صرف یہ ہے کہ آپ ﷺ نے سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ طور پڑھی۔

۳۸۹) وَعَنْ عَائِشَۃَ رضی اللہ عنہا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَرَأَ فِی صَلٰوۃِ الْمَغْرِبِ بِسُوْرَۃِ الْاَعْرَافِ فَرَّقَھَا فِی الرَّکْعَتَیْنِ. رَوَاہُ النَّسَائِيُّ وَ إِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ.

اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے نماز مغرب (کی دونوں

رکعتوں) میں سورۂ اعراف پڑھی، چنانچہ آپ نے اسے دونوں رکعتوں میں تقسیم کیا۔

اسے نسائی (۲/ ۱۷۰ح ۹۹۲) نے روایت کیا اور اس کی سند صحیح ہے۔

انوار السنن: اس کی سند صحیح ہے۔

معلوم ہوا کہ مغرب کی نماز میں لمبی سورتیں بھی تلاوت کی جاسکتی ہیں۔

۳۹۰) وَ عَنِ الْبَرَاءِ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ فِيْ سَفَرٍ فَقَرَأَ فِى الْعِشَاءِ فِيْ إِحْدَى الرَّكْعَتَيْنِ بِالتِّيْنِ وَ الزَّيْتُوْنِ . رَوَاهُ الشَّيْخَانِ .

اور سیدنا براء (بن عازب) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر میں تھے تو آپ نے عشاء کی دو رکعتوں میں سے ایک رکعت میں سورۂ تین پڑھی۔

اسے شیخین (بخاری: ۷۶۷، مسلم: ۴۶۴) نے روایت کیا ہے۔

۳۹۱) وَ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ عُمَرُ لِسَعْدٍ: لَقَدْ شَكَوْكَ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى الصَّلٰوةَ قَالَ: أَمَا أَنَا فَامُدُّ فِى الْأُوْلَيَيْنِ وَ أَحْذِفُ فِى الْأُخْرَيَيْنِ وَ لَا اٰلُوْ مَا اقْتَدَيْتُ بِهٖ مِنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ صَدَقْتَ ذَاكَ الظَّنُّ بِكَ . رَوَاهُ الشَّيْخَانِ .

اور سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے سعد (بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) سے کہا: لوگوں نے ہر چیز میں حتیٰ کہ نماز میں بھی آپ کی شکایتیں لگائی ہیں؟ انھوں نے فرمایا: میں تو پہلی دو رکعتیں لمبی پڑھتا ہوں اور آخری دو رکعتیں مختصر پڑھتا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی اقتدا کرنے میں مجھے کسی کی پروا نہیں ہے۔ انھوں (سیدنا عمر رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: آپ نے سچ کہا، آپ کے بارے میں یہی گمان ہے۔

اسے شیخین (بخاری: ۷۵۵، مسلم: ۴۵۳) نے روایت کیا ہے۔

انوار السنن: اس اثر سے بھی چاروں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے علاوہ قراءت کا پتا چلتا ہے، نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اتباعِ رسول میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی قطعاً کوئی پروا نہیں کرتے تھے۔

۳۹۲) وَ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: أُمِرْنَا أَنْ نَقْرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَ مَا تَيَسَّرَ . رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَ أَحْمَدُ وَ أَبُوْ يَعْلٰى وَ ابْنُ حِبَّانَ وَ إِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ .

اور سیدنا ابوسعید (الخدری) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں سورۂ فاتحہ اور جو میسر ہو پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اسے ابو داود (۸۱۸) احمد (۳/ ۳۰) ابو یعلیٰ (۲/ ۴۱۷ ح ۱۲۱۰) اور ابن حبان (الاحسان: ۱۷۸۷) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

انوار السنن: اس کی سند ضعیف ہے۔

یہ روایت پہلے گزر چکی ہے۔ دیکھئے: ۳۵۰، اس میں قتادہ رحمۃ اللہ علیہ مدلس بلکہ امام فی التدلیس ہیں اور ان کی تدلیس کا حال گزر چکا ہے۔ (ح ۲۵۹)

مدلس کی عن والی روایت کو "إسناده صحيح" کہنا نیموی صاحب جیسے لوگوں ہی کا دل گردہ ہے۔

ع دوسروں کو نصیحت، خود میاں فضیحت

تقلید

جناب سرفراز خاں صفدر دیوبندی نے کہا: "قرآن وسنت کے مقابلے میں کسی کی بات ماننا، خلفائے راشدین کے مقابلہ میں کسی شخص کے قول و فعل پر عمل کرنا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقابلہ میں کسی کی بات ماننا اور اس کی تقلید کرنا یہ تقلید حرام اور ناجائز ہے۔"

(ذخیرۃ الجنان: ۵/ ۳۰۹)

نیز کہتے ہیں: "شرعی حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مقابلہ میں اگر کوئی کسی مولوی اور پیر کا حکم مانتا ہے تو مشرک ہے۔"

(ذخیرۃ الجنان: ۳/ ۱۳۲، ۱۳۳)

حافظ ندیم ظہیر

آئینہ اُن کو دکھایا تو برا مان گئے

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْأَمِيْنَ، أَمابَعْد:

ہماری تحریر کے جواب میں محترم جناب کفایت اللہ سنابلی صاحب کا ''محبت نامہ'' موصول ہوا جس میں انھوں نے مجھ ناچیز کو مکار، چالاک اور تیس مار خان جیسے القابات سے نوازا ہے، یہ ان کا ظرف ہے، ہم تو یہی عرض کریں گے:

کتنے شیریں ہیں تیرے لب، کہ رقیب
گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا

غصے کا یہ عالم کہ اپنی تحریر میں توازن برقرار نہ رکھ سکے، چنانچہ لکھتے ہیں: ''ہماری بعض تحریروں کو سیاق وسباق سے کاٹ کر محترم جناب ندیم ظہیر صاحب نے ہمارا تضاد دکھانے کی کوشش کی ہے۔اس پر مجھے یہی لگتا ہے کہ جناب نے **خود کو مجھ پر...... قیاس کیا ہے۔**''(ص ۱)

مذکورہ عبارت سے ان کی غضبناک کیفیت واضح ہے۔

نیز لکھتے ہیں: ''اور اپنی طرح ناچیز کو بھی دورُخا سمجھ لیا ہے۔''(ص ۱)

سنابلی صاحب! ہم نے اگر آپ کو صرف دورُخا ثابت کرنا ہو تو وہ کوئی مشکل امر نہیں، کیونکہ محض پانچ سطروں کے بعد آپ کی بات بدل جاتی ہے جس کی ایک مثال حاضر ہے۔

آنجناب لکھتے ہیں: ''ہم نے عبدالوہاب ثقفی کو متکلم فیہ بتلانے کے لیے ابن سعد کی جرح ''فیہ ضعف'' پیش کی اور بطور تائید یہ بات کہی کہ **آخر میں یہ مختلط ہو گئے تھے۔**''

پھر اس کے بعد پانچویں سطر پر لکھتے ہیں: ''عرض ہے کہ ہم نے **نہ تو عبدالوہاب کو مختلط کہا ہے** اور نہ ان پر کی گئی اختلاط کی جرح کو روایت کی تضعیف کے لیے دلیل بنایا ہے۔''

(یزید بن معاویہ ص ۲۳۹)

پہلے اقرار، متصل بعد انکار یہ کیا ہے؟

آخر آپ کس بات پر اِترا رہے ہیں کہ اپنی تحریر کو حرف آخر سمجھ کر اس پر کسی دوسرے کی حرف گیری کو پسند ہی نہیں کرتے؟

ہم نے تو آپ کو آپ ہی کی تحریر کے آئینے میں بات سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن آپ برامان گئے، بہرصورت ہم دوبارہ وضاحت کیے دیتے ہیں:

ہم نے اپنے مضمون کے شروع میں سنابلی صاحب کی قلم درازی کے چند نمونے محض اس لیے دکھائے کہ اس سے قبل انھوں نے ''**زبیر علی زئی صاحب کے قلم کی شرافت اور زبان کی پاکیزگی کے چند نمونے**'' کے عنوان سے باقاعدہ ایک باب قائم کیا۔ دیکھئے حدیث یزید محدثین کی نظر میں (ص ٦)

تاکہ موصوف کی اپنی ''قلمی شرافت اور زبان کی پاکیزگی'' بھی عیاں ہو اور انھیں احساس ہو کہ جسے یہ خود دوسروں کے لیے لائق طعن سمجھتے ہیں وہی چیز ان میں بھی پائی جاتی ہے۔

پھر سنابلی صاحب کا انصاف اور جرأت دیکھیں کہ ''**بکواس، مغالطہ، الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے اور آپے سے باہر**'' وغیرہ کو تو معمولی تنکا جانتے ہوئے قابل تشریح سمجھتے ہیں اور اس کے برعکس............

اعتقادی وابستگی کی بنا پر ''صوفی'' کہنے کو (حالانکہ یہ اسی طرح ہے جس طرح کوئی محدث کسی کو مرجی یا قدری وغیرہ قرار دے) علامہ سیوطی رحمہ اللہ کو حاطب اللیل کہنا (باوجودیکہ یہ اہل علم کے ہاں معروف ہے اور اس کے موجد حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ قطعاً نہیں ہیں) اور حنفی عالم کو ''حنفی مولوی'' (جبکہ یہ حضرات خود طحاوی جیسے امام کو متشدد حنفی کہہ کر کنارے لگا دیتے ہیں) کہنے کو شہتیر اور ناقابل تشریح سمجھتے ہیں!!!

قارئین کرام! ہم نے جن قلم درازیوں کی نشاندہی کرائی تھی، سنابلی صاحب نے اپنی ''عادت مبارکہ'' کے مطابق طویل قیل و قال، لیت و لعل کے بعد بالآخر تسلیم کر لیا کہ

''بہر حال حافظ ابن الجوزی سے متعلق بعض سخت کلمات لکھتے وقت وہی کچھ باتیں ذہن میں گردش کر رہی تھیں، جن کا تذکرہ کیا گیا، یہی سبب تھا جس کی بنا پر بعض مقامات پر سخت کلمات رقم ہو گئے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ چیزیں سخت کلامی کا جواز ہیں، بلکہ ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ چیزیں سخت کلامی کی محرک ہوئی ہیں اور ان شاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ہم الفاظ کو نرم کر لیں گے۔'' (حافظ ندیم ظہیر صاحب کے اعتراضات کا جائزہ، حصہ اول ص ۱۵)

سنابلی صاحب کا اعتراف اس بات کی علامت ہے کہ ہم نے نہ سیاق وسباق کو کاٹا اور نہ ان کی کسی عبارت ہی کو بدلا ہے، جس کی مزید وضاحت آگے آ رہی ہے۔

سنابلی الزامات کی حقیقت

③ سنابلی صاحب لکھتے ہیں: ''ندیم ظہیر صاحب اور ان کے استاذ ممدوح دونوں کا یہ خاص اصول وضوابط ہے کہ یہ حضرات اپنے مخالف کی جن باتوں کا کوئی علمی جواب نہیں دے پاتے تو مخالف کی بات کا مفہوم ہی بدل کر پیش کر دیتے ہیں۔'' (ص ۱)

اس بارے میں عرض ہے کہ ہم پر الزام تراشی سے پہلے اپنی تحریری اداؤں پر غور کریں! کیونکہ اگر کسی بات کا مقصد یا وجہ تسمیہ صفحات کی بجائے آپ کے دل و دماغ میں ہو گی تو ہمارے سمیت تمام لوگ وہی مفہوم سمجھیں گے جو صفحات پر منقول ہو گا، معلوم شد کہ دلوں کے بھید صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ہم نے اگر آپ کے کسی واضح، صریح اور تحریر شدہ مفہوم کو بدلا ہوتا تو آپ یہ صفائیاں: ''دراصل، میرا مقصد، وجہ یہ تھی...... وہ وجہ نہیں تھی۔'' وغیرہ پیش کرنے کی بجائے تبدیل شدہ مفہوم مع دلیل پیش کرتے جو آپ نہیں کر سکے، سوائے الزام تراشی کے۔

رہی بات روایات واحادیث اور آثار واقوال سے استدلال کی تو یہ لازم نہیں کہ آپ کی تقلید میں وہی مفہوم پیش کیا جائے جو آپ نے اخذ کیا ہے۔ جس طرح ان سے آپ کو مفہوم کشید کرنے کا حق ہے تو دوسرے بھی یہ حق استدلال محفوظ رکھتے ہیں اور اسے آپ اپنی الزام تراشی کی بھینٹ نہیں چڑھا سکتے۔

③ باقی رہا سیاق وسباق کاٹنے کا الزام تو وہ ہماری تحریر پڑھنے والے ہر قاری پر واضح ہے کہ ہم عموماً ایسی عبارت منتخب کرتے ہیں کہ جو اپنے مفہوم میں صریح اور سیاق وسباق کی محتاج ہی نہ ہو، مثلاً: سنابلی صاحب لکھتے ہیں: ''الغرض جس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ ''له رؤية'' ان کو صحابی کہنا کسی بھی صورت میں درست نہیں ہے، اس لیے زبیر علی زئی صاحب کا ابن مطیع کو صحابی کہنا اور ان پر صحابہ کے احکامات منطبق کرنا اصول حدیث کے سراسر خلاف ہے۔ ہمارے ناقص علم کی حد تک پوری تاریخ اسلامی میں کسی ایک بھی ثقہ و معروف محدث نے اس طرح کا موقف اختیار نہیں کیا اور معاصرین میں بھی زبیر علی زئی صاحب پوری دنیا میں واحد شخص ہیں۔'' (یزید بن معاویہ......ص ۷۲۲)

موصوف کچھ صفحات پہلے خود کیا لکھ چکے ہیں؟ ملاحظہ کیجیے:

سنابلی صاحب نے لکھا: ''عرض ہے کہ جن لوگوں نے عامر بن مسعود کو صحابی کہا ہے، ممکن ہے انھوں نے فقط رؤیت کے لحاظ سے صحابی کہا ہو، بالخصوص جبکہ حافظ ابن حجر نے کہا: ....مسعود ابن امیہ کے بیٹے عامر فتح مکہ سے کچھ قبل پیدا ہوئے، اس لیے انھیں نبی ﷺ سے سماع کی صحبت حاصل نہیں ہے، اگرچہ رؤیت کے لحاظ سے انھیں صحابہ میں شمار کیا گیا ہے۔'' جن لوگوں کو رؤیت کے لحاظ سے صحابی کہا گیا ہے، وہ طبقہ ثانیہ میں شمار ہوتے ہیں۔'' (یزید بن معاویہ......ص ۶۴۰)

پہلی بات	دوسری بات
① ''له رؤية'' کی بنا پر صحابی کہنا کسی بھی صورت میں درست نہیں۔	① ''جن لوگوں کو رؤیت کے لحاظ سے صحابی کہا گیا ہے وہ طبقہ ثانیہ میں شمار ہوتے ہیں۔''
② ''پوری تاریخ اسلام میں ...... اور معاصرین میں بھی زبیر علی زئی صاحب پوری دنیا میں واحد شخص ہیں۔''	② ''عرض ہے کہ جن لوگوں نے عامر بن مسعود کو صحابی کہا ہے، ممکن ہے انھوں نے فقط رؤیت کے لحاظ سے صحابی کہا ہو۔''

یہ دونوں باتیں سنابلی صاحب ہی کی ہیں جنہیں پڑھ کر معلوم ہو جاتا ہے کہ کون کیا ہے؟ کیونکہ فرق صاف ظاہر ہے..................

اب اگر کوئی اس بنا پر ہم پر مفہوم بدلنے یا سیاق وسباق کاٹنے کا الزام لگائے تو سمجھ لیں کہ خود اس کا ذہنی سیاق وسباق منتشر ہے۔

تنبیہ: راقم کے جواب الجواب میں سنابلی صاحب نے محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ سے متعلق جو قلم درازی کی ہے اسے ہم یہاں دو وجہ سے لائق التفات نہیں سمجھتے:

① موضوع پھیل جائے گا، صفحات بڑھ جائیں گے اور قارئین کو حقیقت حال سمجھنے میں دقت کا سامنا رہے گا جو ہمیں گوارہ نہیں۔

② سنابلی صاحب کے الزامات واعتراضات کی طرح ظہور احمد دیوبندی نامی شخص نے بھی بہت سی اختراعات کو اپنی کتاب کا حصہ بنا رکھا ہے جن کے جوابات ابوالحسن انبالوی صاحب کے قلم سے ماہنامہ اشاعۃ الحدیث میں دیے جا رہے ہیں، لہٰذا شیخ محترم رحمہ اللہ کے بارے میں سنابلی صاحب کی قلم درازیوں کا جواب اپنے موقع پر وہاں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

حدیث یزید سے متعلق سنابلی صاحب نے جو اعتراضات کیے تھے ہم نے انھی کی تحریر کی روشنی میں جوابات دے دیے تھے جس پر انھوں نے از سر نو قلم چلایا اور حسب عادت موضوع کو خوب طول دینے کی کوشش کی، لیکن ہم ان کی غیر متعلقہ ابحاث اور بے جا قیل و قال کو نظر انداز کرتے ہوئے سر دست محض حدیث یزید سے متعلقات ہی کو موضوع بحث بنائیں گے۔ان شاء اللہ

پہلا اعتراض: عبدالوہاب الثقفی متکلم فیہ ہیں؟

راویوں پر کلام کے سلسلے میں واضح رہے کہ کتب اسماء الرجال میں گنتی کے چند راویوں کے علاوہ تقریباً ہر راوی پر کچھ نہ کچھ کلام مل جاتا ہے، جیسا کہ محدث ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

لکھتے ہیں: ''کتب جرح وتعدیل سے ادنیٰ واقفیت رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ بہت کم ثقہ راوی ہیں جن پر جرح کا کوئی کلمہ نہ ہو۔'' (اعلاء السنن فی المیزان ص ۲۳۷، ۲۳۸)

اب کیا ہر کلام اس قابل ہے کہ راوی کے درجہ ثقاہت کو متاثر کرے؟ یقیناً نہیں، کیونکہ ایسے میں علمائے محققین اس قلیل کلام کی بنیاد پر ان راویوں کو متکلم فیہ کی جرح سے گزار کر ان کے درجہ ثقاہت کو متاثر کرنے کی بجائے ان کا بھرپور دفاع کرتے ہیں۔ اہل علم پر یہ حقیقت مخفی نہیں کہ کتنے ہی راویوں پر کلام کو محدثین نے ''بلا حجة'' قرار دے کر لائق التفات ہی نہیں جانا۔ اگر کوئی کہے کہ اس سے کلام ختم تو نہیں ہو جاتا، ان کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ وہ کلام ختم نہیں ہوتا لیکن اس قابل بھی نہیں رہتا کہ راوی کو متکلم فیہ بنا کر اس کے درجہ ثقاہت کو متاثر کر دے۔

اگر سنابلی صاحب کے طرز عمل کو دیکھا جائے تو ہر دوسرا راوی متکلم فیہ ٹھہرے گا۔ دور مت جایئے ان کا مطلوبہ راوی معاذ بن معاذ جن کے بارے میں موصوف رطب اللسان ہیں، ان پر بھی امام احمد رحمہ اللہ کا کلام موجود ہے اور سنابلی صاحب کے اصول کے مطابق وہ متکلم فیہ ہیں، لیکن اپنے مطلوبہ راوی کو متکلم فیہ کی زد سے باہر نکالنے کے لیے آنجناب کس طرح دور کی کوڑی لائے ہیں اور ان کا بھرپور دفاع کرنے کی کوشش کی ہے۔ (دیکھئے ندیم ظہیر صاحب کے اعتراضات کا جائزہ، حصہ دوم ص ۱۰۔۱۴)

معاذ بن معاذ پر امام احمد رحمہ اللہ کے کلام سے متعلق وضاحت آیندہ سطور میں ملاحظہ کریں۔

دوسری طرف عبدالوہاب ثقفی ہیں جن کا دفاع ائمہ جرح و تعدیل میں سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کر رہے ہیں، آپ نے لکھا:

''قُلْتُ: عَنى بِذٰلكَ مَا نَقَمَ عَلَيْهِ منَ الاختِلاطِ .''

میں نے کہا: اس (ابن سعد رحمہ اللہ کی فیہ ضعف) کی جرح سے مراد اختلاط ہے۔

(هدي الساري ص، ٤٢٢ ، ٤٢٣)

الشیخ ابواسحاق الحوینی حفظہ اللہ نے فرمایا:

”وَقَدْ تکلّمَ بَعْضُ الْعُلَمَاء فِيْهِ مِنْ جِهْةِ أَنَّهُ اختَلَطَ“

بعض علماء نے ان (عبدالوہاب) میں اختلاط کی بنا پر کلام کیا ہے۔

(نثل النبال بمعجم الرجال: ٢/ ٤٣٩)

دارالبشائر الاسلامیہ، بیروت کی جانب سے شائع شدہ لسان المیزان (٣٦٤/٩) میں عبدالوہاب الثقفی کے نام سے پہلے ”صح“ کی علامت ہے جس سے متعلق خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ومن کتبت قبالة ((صح)) فهو من تکلم فيه بلاحجة .“

(لسان المیزان: ٨/ ١٨٧ ، طبع داراحیاء التراث العربی)

معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک عبدالوہاب ثقفی پر ”فيه ضعف“ کی جرح بے بنیاد ہے یا پھر اختلاط سے متعلق ہے۔

تنبیہ: یہی ”صح“ کی علامت میزان الاعتدال میں بھی ہے۔ بعض اہل علم کے نزدیک حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام ذہبی رحمہ اللہ ہی کی مراد بیان کی ہے، دونوں صورتوں میں سے کوئی سی بھی ہو یہ واضح ہے کہ عبدالوہاب ثقفی پر جرح بے بنیاد ہے۔

مقام حیرت ہے کہ سنابلی صاحب جن کا فن جرح وتعدیل میں کوئی مقام ہے نہ کوئی خدمت وہ معاذ بن معاذ سے متعلق امام احمد رحمہ اللہ کے کلام کو رد کرنے کے لیے اپنی دور کی کوڑی کو حجت اور عبدالوہاب الثقفی کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی توضیح کو ”خالی از دلیل“ سمجھتے ہیں۔ سبحان اللہ

اگر کوئی کہے کہ عبدالوہاب پر اختلاط کی جرح ہے، لہٰذا وہ متکلم فیہ ہی ہیں تو عرض ہے کہ جس طرح ثقہ، متقن وثبت راوی مدلس ہوسکتا ہے اور اس کی وہی روایت مردود ہے جو عن والی ہو اور اس بنا پر اسے کوئی متکلم فیہ نہیں کہتا، اسی طرح ثقہ، متقن وثبت وغیرہ راوی مختلط بھی ہوسکتا ہے اور اس کی وہی روایت مردود ہے جو اختلاط سے بعد والی ہو، لہٰذا ایسی

صورت میں اس کے ساتھ متکلم فیہ کی جرح لگا کر اختلاط سے پہلے والی روایات کو مشکوک نہیں بنایا جاسکتا۔

واضح رہے کہ سنابلی صاحب جیسے لوگ متکلم فیہ کا دم چھلا اپنے مفاد کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں کیونکہ جب کسی راوی کو متکلم فیہ قرار دے دیا تو اسے خواہ ضعف کی طرف گھما دو تو چاہے صحیح و حسن کی طرف ....

جس کی ایک مثال پیش خدمت ہے، چنانچہ سنابلی صاحب لکھتے ہیں: ''نافع بن جبیر والی موصول روایت میں سوید بن عبدالعزیز موجود ہے اور یہ بہت ہی مشہور و معروف ضعیف راوی ہے۔'' (چار دن قربانی کی مشروعیت ص ۲۰)

راوی کو مشہور و معروف ضعیف قرار دینے کے بعد جب اس کی روایت کو صحیح ثابت کرنے کی ضرورت پیش آئی تو فوراً اس کے ساتھ متکلم فیہ کا دم چھلا جوڑ کر لکھ دیا: ''سلیمان بن موسیٰ سے سوید کی روایت صحیح ہے۔ گرچہ وہ متکلم فیہ ہیں۔'' (ایضاً ص ۱۷)

ع جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

سنابلی صاحب نے کچھ ایسا ہی معاملہ عبدالوہاب الثقفی کے ساتھ کیا اور ایسے زبردست ثقہ راوی کو متکلم فیہ قرار دے کر یہاں بھی اپنا مفاد حاصل کرنے کی کوشش فرما رہے ہیں۔

سابقہ سطور میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ عبدالوہاب الثقفی پر کلام بالکل بے بنیاد ہے، اس کے باوجود انھیں بار بار متکلم فیہ باور کرانا انصاف کا خون کرنے کے مترادف ہے، ان پر کلام کی نوعیت محض لفظی ہے معنوی یا اصطلاحی نہیں۔ اسے مزید آپ اس طرح سمجھ سکتے ہیں:

① سنابلی صاحب لکھتے ہیں: ''ابو غالب نامی راوی پر جرح بھی ہوئی ہے اور ان کی توثیق بھی کی گئی ہے۔ زبیر علی زئی صاحب اس راوی کی ایک روایت کو سندہ حسن قرار دینے کے بعد لکھتے ہیں: ''ابو غالب جمہور کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے صدوق حسن الحدیث راوی ہیں۔'' ......سوال یہ ہے کہ کسی راوی سے متعلق جمہور کے خلاف ہر جرح بالکلیہ مردود ہوتی ہے تو پھر ''ابو غالب'' ثقہ و صحیح الحدیث کے مرتبے سے گر کر صدوق و حسن الحدیث کیسے

ہو گیا اور اس کی روایت ''صحیح'' کے بجائے ''حسن'' کیوں کر ہو گئی؟؟'' (ندیم ظہیر صاحب کے اعتراضات کا جائزہ، حصہ دوم، ص ۵)

سنابلی صاحب اپنے اسی مضمون کے صفحہ (۲۰) پر عبدالوہاب الثقفی سے متعلق لکھتے ہیں: ''عرض ہے کہ یہ متکلم فیہ ہیں، لیکن ان پر ایسا کلام نہیں ہے جو انھیں ثقاہت کے مرتبے سے گرا کر صدوق وحسن الحدیث کے درجے پر پہنچا دے۔ اس لیے یہ متکلم فیہ ہونے کے باوجود بھی ثقہ ہی کے مرتبہ پر فائز ہیں اور چونکہ شیخین نے ان سے احتجاج کیا ہے اور کتب ستہ میں ان کی روایات مذکور ہیں، اس لیے ان کی مرویات صحت میں اعلیٰ درجے ہی کی ہوں گی۔''

قارئین کرام! فرق صاف ظاہر ہے۔ اب ہمارا سوال یہ ہے کہ جب کسی راوی سے متعلق ہر بے بنیاد جرح بالکلیہ مقبول ہوتی ہے تو پھر عبدالوہاب الثقفی ثقہ وصحیح الحدیث کے مرتبے سے گر کر صدوق وحسن الحدیث کیوں نہیں ہوئے؟ اور ان کی روایت اعلیٰ درجے کی صحیح کے بجائے حسن کیوں نہیں ہوئی؟؟

② یہ کیسا متکلم فیہ راوی ہے کہ تفرد کی صورت میں بھی ان پر کوئی جرح نہیں، چنانچہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا: "قُلتُ: الثقفي لَا ينكر لَه إِذَا تفرَّد بِحَدِيث." (ميزان الاعتدال: ٤/ ٢١)

فرض محال اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ عبدالوہاب الثقفی حقیقی متکلم فیہ ہیں تو بھی ان پر کلام کی نوعیت ایسی نہیں کہ ان کا تفرد مخالفت کی صورت میں قبول نہ ہو، لہٰذا سنابلی صاحب حدیث یزید کی تردید میں جو جال بننے کی کوشش کر رہے ہیں اور اس میں پہلا اعتراض ہی عبدالوہاب الثقفی پر جڑ دیا ہے تو اس بارے میں انھیں علمی میدان میں منہ کی کھانی پڑے گی۔ (ان شاء اللہ)

کیونکہ سنابلی صاحب کا قلم کتنا ہی دراز کیوں نہ ہو، لیکن ابھی دنیا میں منصف مزاج لوگوں کا وجود باقی ہے جو غلط اور صحیح کے درمیان بخوبی امتیاز کر سکتے ہیں۔

ہماری اس تمہید کے بعد یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ہم نے اس سلسلے میں سنابلی صاحب کے جو دو رخ بتائے تھے وہ بالکل صحیح ہیں اور یہ کہ موصوف نے ''متکلم فیہ'' کی اصطلاح کو اپنے مشکل وقت کا سہارا سمجھ رکھا ہے، بالکل اُسی طرح جس طرح جناب ظفر احمد تھانوی دیوبندی نے ''مختلف فيه'' کو سمجھ رکھا تھا۔

محدث ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ تھانوی صاحب کے اس رویے سے متعلق کچھ اس طرح اظہار فرماتے ہیں: ''فن رجال سے معمولی شد بد رکھنے والا طالب علم بھی جانتا ہے کہ شاید کوئی بھی ثقہ راوی ایسا نہ ہو جس پر جرح نہ کی گئی ہو یا کوئی ایسا ضعیف نہ ہو جس کو کسی ایک نے بھی ثقہ نہ کہا ہو۔ یوں کیا تمام کو ''مختلف فیہ'' قرار دے دیا جائے گا؟''

(اعلاء السنن فی المیزان ص ٢٤٥)

اور لکھتے ہیں: ''مولانا عثمانی نے اس اصول کو اعلاء السنن میں جا بجا اختیار کیا اور اکثر و بیشتر اس سے اپنی موید روایات کو سہارا دیا۔'' (أيضًا، ص ٢٣٨)

نیز لکھتے ہیں: ''یہاں بھی دراصل یہی ''مختلف فیہ'' کا اصول کار فرما ہے۔''

(أيضًا، ص ٢٤٤)

اسی طرح لکھتے ہیں: ''غور فرمایا آپ نے کہ یہ ''مختلف فیہ'' کا اصول کس قدر مفید ثابت ہو رہا ہے۔'' (أيضاً، ص ٢٥٤)

تنبیہ: یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ ہم ''متکلم فیہ'' اصطلاح کا انکار نہیں کر رہے بلکہ اس کے صحیح استعمال کا اصرار کر رہے ہیں جس طرح محدث اثری حفظہ اللہ نے ''مختلف فیہ'' اصطلاح کے غلط استعمال کی نشاندہی فرمائی ہے۔

سنابلی صاحب کے دو رُخ

پہلا رخ: عبدالوہاب ثقفی کے بارے میں لکھتے ہیں: ''یہ متکلم فیہ ہیں، کیوں کہ ابن سعد نے ان کے بارے میں ''فیہ ضعف'' کہا ہے۔'' (یزید بن معاویہ......ص ٢٣٤)

دوسرا رخ: ''ابن سعد جرح میں منفرد ہوں تو ان کی جرح قبول نہیں ہوتی۔''

(یزید بن معاویہ......ص ۲۶۸)

جب ہم نے یہ دورُخ پیش کیے تو سنابلی صاحب نے راقم کی علمی قابلیت کو خوب کوسا، لیکن بعد میں انھوں نے جو''موتی بکھیرے ہیں'' ان جیسے ''محقق'' سے یہ امید نہیں کی جا سکتی تھی۔

اس سلسلے میں ہمارا بنیادی اعتراض یہ تھا کہ ایک جگہ اپنے خلاف آنے والی امام ابن سعد کی منفرد جرح کو رد کر رہے ہیں تو دوسری جگہ اپنے حق میں پیش کر رہے ہیں، آخر کیوں؟

اس ضمن میں سنابلی صاحب کی طویل قیل قال کا خلاصہ درج ذیل ہے:

① ہمارے استاذ محترم (حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ) نے بھی بعض راویوں کو متکلم فیہ قرار دیا ہے۔

② ''الغرض توثیق کے مقابلے میں جروح اگرچہ رد کی جاتی ہیں، لیکن راوی کے مرتبہ ثقاہت کی بحث ہو تو وہاں ان جروح سے استدلال کیا جاتا ہے۔ اس لیے اگر کوئی ایک مقام پر توثیق کے خلاف جارحین کی جروح کو رد کرے اور دوسرے مقام پر راوی کے مرتبہ ثقاہت پر بحث کرتے ہوئے اُن جروح کا حوالہ دے تو ان دونوں طرزِ عمل میں دور دور تک کوئی تضاد و تعارض قطعاً نہیں ہوتا۔ ندیم ظہیر صاحب یہ بات اچھی طرح سے نوٹ کر لیں کہ عبدالوہاب ثقفی کو ضعیف ثابت کرنے کے لیے ہم نے ابن سعد کی جرح پیش نہیں کی، بلکہ ان کا مرتبہ ثقاہت بتانے کے لیے ابن سعد کی جرح پیش کی ہے۔''

(......اعتراضات کا جائزہ، حصہ دوم ص ۵، ۶)

تبصرہ: ہمارے استاذ محترم رحمہ اللہ نے جن راویوں کو متکلم فیہ کہا ہے تو محدثین کی جروح کی بنا پر ان کا مرتبہ ثقاہت بھی بیان کر دیا ہے، مثلاً: سنابلی صاحب ہی کے ذکر کردہ راوی ابوغالب، عبیداللہ بن عمرو اور امام بزار وغیرہ۔ ان سب کو صدوق وحسن الحدیث قرار دیا اور اس میں نہ کوئی دو رائے ہے اور نہ کوئی مفاد ہی مقصود ہے، لہٰذا اس سلسلے میں شیخ زبیر علی

زئی رحمہ اللہ کو بطور مثال پیش کرنا انھیں قطعاً مفید نہیں، نیز محدث العصر رحمہ اللہ نے عبدالوہاب ثقفی جیسے راوی کو ایسی بے بنیاد جرح کی وجہ سے کبھی متکلم فیہ نہیں کہا، باوجودیکہ بہت سے جلیل القدر راویوں پر اس قسم کا کلام موجود ہے۔

اس کے برعکس سنابلی صاحب نے عبدالوہاب ثقفی کا کون سا مرتبہ متعین کیا ہے؟

① کیا عبدالوہاب ثقفی اس کلام کے بعد ''اعلیٰ درجے کی صحیح روایت'' سے حسن درجے کی روایت بیان کرنے والے ہو گئے ہیں؟

② کیا اس جرح کی بنا پر وہ ثقہ سے ''صدوق'' کے درجے پر آ گئے ہیں؟

③ کیا اب ان کی روایت تفرد کی صورت میں منکر ہو گی؟

اگر ان سب کا جواب نفی میں ہے تو ہمیں بتایا جائے کہ لغوی طور پر ''متکلم فیہ'' کے علاوہ آپ نے کون سا مرتبہ وضع کیا ہے؟ اس کلام نے عبدالوہاب ثقفی کے درجہ ثقاہت پر کیا اثر ڈالا ہے؟ جب کچھ بھی نہیں تو محض مطلب برآری کے لیے ایک ثقہ راوی کے پیچھے کیوں ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہیں؟

اس وضاحت کے بعد سنابلی صاحب کی وہ تفصیل جو انھوں نے ''اپنی دورخی'' کے دفاع میں تحریر کی تھی رائیگاں ہو جاتی ہے کہ فقط مرتبہ ثقاہت بیان کرنے کے لیے ابن سعد رحمہ اللہ کی جرح پیش کی گئی ہے۔ یاد رہے کہ بے بنیاد اور غیر متعلقہ جرح سے مرتبہ ثقاہت میں کوئی فرق پڑتا ہے نہ اس سے کچھ تعین ہی ہوتا ہے۔

معاذ بن معاذ پر امام احمد رحمہ اللہ کا کلام

ہم نے اپنی سابقہ تحریر میں عبدالوہاب ثقفی پر کلام سے متعلق بحث کے دوران میں سنابلی صاحب کو آئینہ دکھایا کہ اگر ہر کلام اس نوعیت کا ہوتا ہے کہ راوی ''متکلم فیہ'' بن جاتا ہے تو معاذ بن معاذ بھی متکلم فیہ ہیں، کیونکہ امام احمد رحمہ اللہ نے ان پر کلام کیا ہے۔ ہماری اس بات پر آنجناب نے بہت برا منایا اور غضب ناک کیفیت میں کئی صفحات سیاہ کر دیے جس کا

جائزہ حسب ذیل ہے:

’’في حدیثه شيء‘‘ علمائے محققین کے نزدیک کلمہ جرح ہے جس پر کتب اسماء الرجال شاہد ہیں، آج تک کسی محدث نے ’’في حدیثه شيء‘‘ سے مراد اسلوب کتابت یا منہج وطریقہ نہیں لیا۔ خود سنابلی صاحب نے بھی اسے بطور جرح ہی پیش کیا، چنانچہ لکھتے ہیں:

’’امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۱) نے کہا: ’’في بعض حدیثه شيء‘‘ ’’ان کی بعض احادیث محل نظر ہیں۔‘‘ (یزید بن معاویہ............ص ۳۲۱)

چونکہ موصوف نے یہاں راوی کو مجروح ثابت کرنا تھا، لہٰذا ’’في حدیثه شيء‘‘ کو نہ صرف بطور جرح پیش کیا بلکہ ٹھونک بجا کر اس کا ترجمہ بھی **’’محل نظر‘‘** کیا۔ جب امام احمد رحمہ اللہ کی یہی جرح معاذ بن معاذ پر ہوئی تو موصوف نے اسے نہ صرف جرح تسلیم کرنے سے انکار کر دیا بلکہ اس کا ترجمہ بھی ’’محل نظر‘‘ کی بجائے ’’ان کی حدیث میں کچھ تھا‘‘ کر دیا۔ (......اعتراضات کا جائزہ حصہ، دوم، ص ۱۱)

ع شاید! یہی موقع شناسی ہے

قارئین کرام! مزید آگے بڑھنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ کیا ’’في حدیثه شيء‘‘ کلمہ جرح نہیں؟

① امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے زید بن جبیر سے متعلق پوچھا گیا: ”أَلَیْسَ فِي حَدِیْثِهٖ شَيئٌ‘‘ تو انھوں نے جواب دیا: ”لَا واللّٰهِ! اِلَّا ثِقَة“ (تاریخ یحییٰ بن معین روایۃ الدوری: ۱۸۲/۲)

امام ابن معین رحمہ اللہ نے ’’في حدیثه شيء‘‘ کے مقابلے میں ثقہ کہا اور ’’في حدیثه شيء‘‘ ضعف کا انکار کر کے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔

② امام بخاری رحمہ اللہ نے معروف ضعیف راوی محمد بن ثابت العبدی کو کتاب الضعفاء (۳۲۲) میں نقل کر کے بطور جرح ’’یُقَال في حدیثه شيء‘‘ بھی لکھا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ’’في حدیثه شيء‘‘ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک بھی جرح ہے۔

③ امام احمد رحمہ اللہ سے عامر احول کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: ''في حديثه شيء''(العلل ومعرفة الرجال: ١/ ٣٣٤ت ١٥٠٣)

دوسری جگہ اسی کے بارے میں فرمایا: ''ليس بالقوى، ضعيف الحديث''
(أيضًا: ١/ ٤٠١ ت ١٩٣٧)

امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک بھی ''في حديثه شيء'' جرح ہی ہے۔

جب واضح ہو گیا کہ علمائے محققین ومحدثین کے ہاں ''في حديثه شيء'' کلمہ جرح ہے تو اب سنابلی صاحب اسے محض اس لیے تسلیم نہیں کر رہے کہ وہ خود اپنے خودساختہ اصول کی زد میں آجائیں گے۔

امام احمد رحمہ اللہ کی عبارت درج ذیل ہے:

"كَانَ يحيى الْقطَّان، وخَالِد بن الْحَارِث، ومُعَاذ بن مُعَاذ لَا يكْتبُونَ عِنْد شُعْبَة، كَانَ يَحْيى يَحْفظ، وَيذْهب إِلَى بَيته، فيكتبها، وَكَانَ فِي حَدِيثه بعض ترك الْاَخْبَار والألفاظ، وَكَانَ معَاذ يقْعد نَاحيَة فِي جَانب، فَيكْتب مَا حفظ، وَكَانَ فِي حَدِيثه شَيْء، وَكَانَ خَالِد أَيْضاً يقْعد فِي نَاحيَة، فَيكْتب مَا حفظ لَا يَجْتَمعُونَ." (العلل، رواية المروذى ص ٤٤)

مذکورہ عبارت میں ''في حديثه شيء'' کو نظر انداز کر کے سنابلی صاحب کا یہ باور کرانا کہ ''امام احمد کے اس کلام کا موضوع شعبہ کے تین شاگردوں کی کتابت کی کیفیت اور کتابت کا منہج بتلانا ہے۔'' بالکل غلط ہے، کیونکہ امام احمد رحمہ اللہ کا یہاں مقصود کتابت کی کیفیت بتانا نہیں، بلکہ اپنے تبصرے ''في حديثه شيء'' وغیرہ کا پس منظر بتانا ہے۔اس کی تفصیل پر غور فرمائیں۔

① ''وَكَان في حديثه بعض ترك الأخبار والألفاظ'' منہج ہے یا جرح؟ اگر کوئی راوی اپنے حافظے سے لکھے اور اس کے لکھے ہوئے میں اخبار والفاظ کا ترک ہو تو کیا محدثین کے ہاں یہ پسندیدہ امر ہے؟ کیا محدثین اسے بطور خوبی بیان کرتے

ہیں یا بطور خامی؟

یقیناً بطور خامی بیان کرتے ہیں اور یہ خامی ہی جرح کہلاتی ہے اور یہی بتانا امام احمد رحمہ اللہ کا مقصد ہے کیونکہ جرح وتعدیل میں اسی کی اہمیت وحیثیت ہے ورنہ کوئی گھر میں بیٹھ کر احادیث لکھے یا مسجد میں محدثین کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

② گوشے میں بیٹھ کر لکھنا بھی کوئی جرح نہیں، کیونکہ اگر یہ جرح ہوتی تو امام احمد رحمہ اللہ اس بنا پر خالد کو بھی مجروح قرار دیتے، لیکن ایسا نہیں ہے۔ ظاہر ہے خالد اور معاذ بن معاذ نے اپنے اپنے حافظے سے احادیث لکھیں، ان دونوں میں سے جس میں بھی انھوں نے کوئی علت محسوس کی اسی سے متعلق ''في حديثه شيء'' لکھ دیا۔ اگر بزعم سنابلی یہ اسلوبِ منہج کا حصہ ہوتا تو خالد کے تذکرے کے بعد بھی ''في حديثه شيء'' کا اظہار فرماتے، لیکن ایسا نہیں ہے، کیونکہ یہ جرح ہے جسے سنابلی صاحب زبردستی اسلوب وکیفیت کا نام دینے کی کوشش میں ہیں۔

③ مذکورہ بالا عبارت میں معاذ بن معاذ سے متعلق ''في حديثه شيء'' کلمہ جرح نمایاں ہے، لیکن اس کے باوجود سنابلی صاحب لکھتے ہیں: ''انھوں نے معاذ پر سرے سے کوئی جرح ہی نہیں کی ہے۔'' (......اعتراضات کا جائزہ، حصہ دوم ص ۱۰)

آنکھیں ہیں اگر بند تو پھر دن بھی رات ہے
اس میں قصور کیا ہے بھلا آفتاب کا

سنابلی صاحب لکھتے ہیں: ''علاوہ ازیں اس بات پر غور کریں کہ امام احمد رحمہ اللہ نے معاذ کا تذکرہ اس کے علاوہ بھی کئی بار کیا ہے، لیکن کبھی ان کے حافظے پر جرح نہیں کی، بلکہ ان کی عظیم الشان توثیق بیان کی ہے۔'' (......اعتراضات کا جائزہ، حصہ دوم ص ۱۲)

عرض ہے کہ یہ کوئی قاعدۂ کلیہ نہیں کہ توثیق کے بعد جرح نہیں ہوسکتی۔ اگر ایسا ہی ہے تو امام ابن سعد رحمہ اللہ نے بھی تو عبدالوہاب ثقفی کو مطلق ثقہ قرار دینے کے بعد ہی ''فيه ضعف'' کہا ہے۔ دوسرا یہ کہ معاذ بن معاذ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک ضعیف تو نہیں کہ ہر

جگہ جرح ہی کرتے بلکہ ''في حديثه شيء'' کے باوجود بھی وہ ثقہ ہی ہیں، لیکن سنابلی صاحب کے اصول کے مطابق ''متکلم فیہ'' ہیں۔

دوسرا اعتراض: اوثق کی مخالفت؟

ہماری سابقہ سطور سے واضح ہو جاتا ہے کہ اگر عبدالوہاب ثقفی امام ابن سعد رحمہ اللہ کے کلام کی وجہ سے ''متکلم فیہ'' ہیں تو معاذ بن معاذ بھی امام احمد رحمہ اللہ کے کلام کی وجہ سے ''متکلم فیہ'' ہیں، لہٰذا ایسی صورت میں یہ اعتراض خود بخود ختم ہو جاتا ہے کہ عبدالوہاب ثقفی نے ثقہ بالاتفاق کی مخالفت کی ہے، نیز یہ مخالفت قطعاً مضر نہیں، جیسا کہ خود سنابلی صاحب نے حافظ ابن عبدالہادی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ ''جب زیادتی کو روایت کرنے والا حافظ اور ثبت ہو اور جس نے زیادتی بیان نہیں کی ہے، وہ بھی ایسا ہی ہو یا ثقاہت میں اس سے کم تر ہو تو ایسی صورت میں زیادتی قبول کی جائے گی۔'' (یزید بن معاویہ............ص ۲۱۶)

تیسرا اعتراض: اختلاط

عبدالوہاب ثقفی پر اختلاط کے سلسلے میں جو اعتراض ہے اسے خود سنابلی صاحب نے حل کر دیا ہے، چنانچہ لکھتے: ''عبدالوہاب پر کی گئی جرحِ اختلاط سے متعلق عرض ہے کہ چونکہ اہل فن نے اختلاط کی جرح کے ساتھ ساتھ یہ بھی صراحت کر دی ہے کہ یہ معاملہ ان کی زندگی کے آخری ایام کا تھا۔ علاوہ بریں کسی بھی محدث نے ان کے اختلاط کو بنیاد بنا کر کسی روایت کو ضعیف نہیں کہا ہے، اس لیے عمومی طور پر ان کی بیان کردہ مرویات کے بارے میں یہی فیصلہ ہوگا کہ وہ ان کے اختلاط سے متاثر نہیں ہیں۔ واللہ اعلم۔'' (یزید بن معاویہ............ص ۲۴۵)

نیز سنابلی صاحب نے اس اعتراض کے باوجود عبدالوہاب ثقفی کی روایت کو ''بہت ہی اعلیٰ درجے کی صحیح روایت'' بھی قرار دیا ہے۔ (یزید بن معاویہ............ص ۱۹۱)

چوتھا اعتراض: امام بخاری رحمہ اللہ کی تعلیل

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں شام گئے تھے یا نہیں، ایک مختلف

فیہ امر ہے۔ اگر امام بخاری رحمہ اللہ ان کے جانے کا انکار کرتے ہیں تو بہت سے اہل علم ان کے جانے کا اقرار بھی کرتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ دورِ حاضر کے دو عظیم محدث مذکورہ (مزعومہ) علت کے باوجود زیر بحث حدیث کی سند کو حسن قرار دیتے ہیں۔

① امام بخاری رحمہ اللہ کی تعلیل کے باوجود محدث العصر علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو حسن قرار دیا۔ دیکھئے سلسلة صحیحة (٤/ ٣٢٩ ح ١٧٤٩)

② محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے بھی اسے ''حسن'' ہی کہا ہے۔

1 سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے متعلق امام ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''وَقَدْ شَهِدَ فَتْح بَيت الْمَقْدِسِ مَعَ عُمَر .'' یعنی انھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر فتح بیت المقدس میں شرکت کی۔ (سیر اعلام النبلاء: ٢/ ٤٧)

امام ذہبی رحمہ اللہ کے مذکورہ قول کی وجہ سے ''المطالب العالیۃ (۱۸/۲۷۴، ۲۷۵) طبع دارالعاصمۃ'' کے محقق الشیخ عبدالقادر بن عبدالکریم بن عبدالعزیز نے امام بخاری رحمہ اللہ کی تعلیل رد کرتے ہوئے ''حدیث یزید'' کو حسن قرار دیا ہے، یعنی نفی پر اثبات کو مقدم کیا۔

2 حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ نے فرمایا: ''وَشَهِد فَتْح بَيْتِ الْمَقْدِسِ وَالْجَابِيَةِ مَعَ عُمَربْنِ الْخَطَّابِ .''(تاریخ دمشق: ٦٦/ ١٧٤)

جابیہ سے متعلق حافظ ابن قرقول (متوفی ۵۶۹ھ) نے فرمایا: ''مِنْ أَرْضِ الشَّامِ .'' یعنی جابیہ شام کا علاقہ ہے۔ (مطالب الانوار: ٢/ ١٩٦)

3 امام ابن اثیر رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ثُمَّ هَاجَرَ اِلَى الشَّامِ بَعْدَ وَفَاةِ أَبِي بَكْرٍ رضی اللہ عنہ'' یعنی سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد شام کی طرف ہجرت کر لی۔ (أسد الغابة: ١/ ٣٥٧)

4 امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ثُمَّ خَرَجَ بَعْد وَفَاةِ أَبى بَكْر رضی اللہ عنہ اِلَى الشَّامِ .'' سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد شام کی طرف چلے گئے۔ (الاستیعاب: ١/ ٢٥٣)

تنبیہ: ان محدثین نے بلغني یا قیل وغیرہ کے ذریعے سے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے شام جانے کا تذکرہ نہیں کیا، بلکہ اپنے علم کے مطابق اس بات کا اظہار کیا ہے اور ان کی اپنی بات کو بے سند کہنا مضحکہ خیز ہے۔ اسی طرح یہ محض مورخین نہیں کہ ان کی بات کو تاریخی کہہ کر رد کر دیا جائے بلکہ علم جرح وتعدیل میں بھی ان کے اقوال کو حیثیت دی جاتی ہے۔

باقی رہا مذکورہ محدثین کی اس بات کی دلیل کیا ہے تو عرض ہے کہ اگر سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے شام جانے سے انکار پر دلیل طلب کرنا جرم ہے تو اقرار پر اس جرم کا ارتکاب کیوں؟

مزید اسے سنابلی صاحب کے ''نادر اصول'' کی روشنی میں سمجھئے، موصوف لکھتے ہیں:

''متعدد اہل علم نے ان صحابہ کی طرف بالجزم چار دن قربانی کا قول منسوب کیا ہے ممکن ہے ان اقوال کی سندیں ایسی کتب میں ہوں جن تک ہماری رسائی نہ ہو یا جو مفقود ہو چکی ہوں، یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف کتاب وسنت کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے نہ کہ امتیوں کے اقوال کی بھی اس لیے امتیوں کے اقوال کی صحیح سندوں کا مفقود ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔'' (چار دن قربانی کی مشروعیت ص ۳۴)

قارئین کرام! آپ سمجھ تو گئے ہوں گے کہ اس عبارت سے کیا مترشح ہو رہا ہے، یعنی ''متعدد اہل علم نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے شام جانے کا تذکرہ کیا ہے، ممکن ہے ان اقوال کی سندیں ایسی کتب میں ہوں جن تک ہماری رسائی نہ ہو یا جو مفقود ہو چکی ہوں۔''

سنابلی صاحب نے یہ ''نادر اصول'' گھڑا تو اپنے فائدے کے لیے تھا لیکن یہاں اُلٹ پڑ گیا ہے۔

5. امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ثُمَّ لَمَّا مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم وَمَاتَ أَبُوبَکْرٍ رضی اللہ عنہ خَرَجَ اِلَی الشَّامِ......'' پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو آپ (سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ) شام کی طرف چلے گئے۔

(البدایة والنهایة: ۷/ ۱۸۵)

ہماری اس بحث سے یہ اظہر من الشّمس ہے کہ اگر امام بخاری رحمہ اللہ نے عہد خلافت

عمر رضی اللہ عنہ میں سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے شام جانے کا انکار کیا ہے تو بہت سے اہل علم نے ان کے جانے کا اقرار بھی کیا اور یہی راجح ہے جس بنا پر علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ سمیت بہت سے محققین نے اس سند کو حسن قرار دیا ہے، لہٰذا سنابلی صاحب کے سابقہ اعتراضات کی طرح یہ اعتراض بھی لائق التفات نہیں ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے دعویٰ پر سنابلی دلیل اور اس کے شواہد

امام بخاری رحمہ اللہ کے موقف پر سنابلی صاحب نے ایک روایت پیش کی جسے وہ ''صحیح بخاری ومسلم کی شرط پر ایک بہت ہی اعلیٰ درجے کی صحیح روایت'' سمجھتے تھے۔

(یزید بن معاویہ......ص ۱۹۱)

اس روایت پر ہمارا ایک بنیادی اعتراض تھا کہ یہ منقطع ہے، کیونکہ امام محمد بن سیرین کی سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں۔ (ماہنامہ اشاعۃ الحدیث: شمارہ نمبر ۱۳۴ص ۴۳)

اس بنا پر سنابلی صاحب نے ہماری طرف ایک مستقل اصول کی نسبت کردی کہ ہم ناقد کے ہر قول پر دلیل کے طالب ہیں، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے قول پر طلب دلیل کا اظہار کیا گیا ہے، حالانکہ اس کا ایک پس منظر ہے وہ یہ کہ اہل علم کی ایک جماعت کے اقوال امام بخاری رحمہ اللہ کے قول کے برعکس ہیں اسی وجہ سے ہم نے اسے مختلف فیہ بھی قرار دیا، لیکن امام ابو حاتم کے قول: ''لَمْ یَلْقَ الحَسَن و مُحَمَّد بْنَ سِیْرِیْن أَبَا ذَر الغِفَارِي'' کے خلاف کون سے محدثین ہیں؟ اگر آپ دیگر محدثین سے ثابت کردیں کہ محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور ان سے سنا ہے تو ہم اسے بھی تسلیم کر لیں گے۔ بہرصورت ہمارے مذکورہ اعتراض کے بعد سنابلی صاحب نے اعتراف کیا کہ ''ہم صاف اعلان کرتے ہیں کہ روایت مذکورہ کی سند صحت کے کسی بھی درجے پر نہیں، بلکہ انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔'' (......اعتراضات کا جائزہ، حصہ دوم ص ۲۲)

سنابلی صاحب نے اپنی بیان کردہ روایت کو ضعیف تسلیم کرنے کے بعد اس کے کچھ شواہد ذکر کیے جن کا جائزہ حسب ذیل ہے۔

سنابلی صاحب کی بیان کردہ ضعیف روایت میں یہ الفاظ: **''چناں چہ جب عمارتیں سلع پہاڑی تک پہنچ گئیں اور یہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہوا تو ابو ذر رضی اللہ عنہ شام کی طرف نکل گئے۔''** (یزید بن معاویہ............ص۱۹۲) قابل ذکر ہیں۔

کیونکہ انھیں خود سنابلی صاحب نے بھی خط کشید و نمایاں کر رکھا ہے اور یہی عبارت بنیادی دلیل بن سکتی تھی، علاوہ ازیں پوری روایت میں ایسی کوئی بات نہیں، لہٰذا شواہد کا جائزہ لیتے وقت یہ الفاظ ذہن نشین رہنے چاہیے۔ سنابلی صاحب نے لکھا: ''باقی اس روایت کے متن کے لفظی یا معنوی متفرق شواہد کے لیے دیکھیے:

☆ صحیح بخاری: ٢/ ١٠٧ رقم: ١٤٠٦ .
☆ صحیح مسلم: ٢/ ٤٤٨ رقم: ٦٤٨ .
☆ سنن ابن ماجه: ٢/ ٣٧٢٤............ .
☆ صحیح ابن حبان: ١٣/ ٣٠٢ رقم: ٥٩٦٤ .
☆ دلائل النبوة للبيهقي: ٦/ ٤٠١............ .
☆ معجم ابن الاعرابی: ١/ ٧٥............ .
☆ الطبقات الکبریٰ: ٤/ ٢٣٢............ .
☆ تاریخ المدینة لابن شبة: ٣/ ١٠٣٤............'' وغیرہ.

(............اعتراضات کا جائزہ حصہ دوم ص۲۳)

جائزہ:

قارئین! ہماری نقل کردہ عبارت کو سامنے رکھتے ہوئے ان تمام حوالوں کو چیک کرتے جائیں تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ یہ لفظی یا معنوی شواہد سنابلی صاحب کے مقصود پر پورے نہیں اتر رہے کیونکہ ان تمام روایات میں اس بات کا اشارہ بھی نہیں کہ ''عمارتیں سلع پہاڑی کے برابر عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں ہوئیں اور اسی وقت سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ شام کی طرف نکلے۔''

یہ صریح خلط مبحث ہے اور بعض ثابت شدہ احادیث کے ذریعے سے ایک غیر ثابت بات منوانے کی کوشش ہے، نیز اس سلسلے میں ضعیف روایت یا اپنے ''فہم واستدلال'' کو شواہد کا

نام دینا بھی آنجناب کی سینہ زوری ہے جس کی مزید وضاحت آگے آرہی ہے۔
(ان شاءاللہ)

سنابلی صاحب نے لکھا: ''آگے ہم ان شواہد کو پیش کرتے ہیں جن کا تعلق اس بات سے ہے کہ عہد عثمانی سے قبل ابوذر رضی اللہ عنہ مدینہ ہی مقیم تھے اور عہد عثمانی ہی میں ابوذر رضی اللہ عنہ شام گئے، چنانچہ لکھتے ہیں: ''زید بن خالد الجرمی کہتے ہیں: میں عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ان کے پاس ایک بزرگ آئے جب لوگوں نے انہیں دیکھا تو کہا: یہ ابوذر رضی اللہ عنہ ہیں۔ جب عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھا تو کہا: ہم اپنے بھائی کو مرحبا اور خوش آمدید کہتے ہیں۔ ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ نے ہمیں حکم دینے میں سختی کی ہے۔ اللہ کی قسم اگر آپ مجھے حکم دیں کہ میں زمین پر گھسٹ کے چلو تو اپنی استطاعت بھر میں یہ بھی کرنے کے لیے تیار رہوں۔ میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک رات بنو فلاں کے باغ کی جانب نکلا، جب آپ پہنچے تو نگاہ اوپر دوڑانے لگے پھر نگاہ سیدھی کی اور کہا: ''میرے بعد تمہاری بربادی ہو۔'' میں رو پڑا اور کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں آپ کے بعد باقی (باحیات) رہوں گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، اور جب تم یہ دیکھنا کہ عمارتیں سلع تک پہنچ چکی ہیں تو مغرب (شام) کی طرف روانہ ہو جانا۔''

یہ روایت نقل کرنے کے بعد سنابلی صاحب نے لکھا: ''اس حدیث سے درج ذیل باتیں معلوم ہوئیں:'' (............اعتراضات کا جائزہ، حصہ دوم ص ۲۳، ۲۴)

ہم ان باتوں کو مع جائزہ پیش کرتے ہیں:

''اول: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص علامت کے بعد ابوذر رضی اللہ عنہ کو مدینہ سے شام جانے کا حکم دیا تھا۔''

جائزہ:

جی بالکل! لیکن وہ خاص علامت کب ظہور پذیر ہوئی؟ مذکورہ روایت میں تو درکنار کسی بھی صحیح روایت میں اس کا تذکرہ نہیں۔

”دوم: اس علامت کے ظہور سے پہلے ابو ذر رضی اللہ عنہ شام نہیں جا سکتے تھے، کیونکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور علامت کے بعد ہی انھیں مدینہ سے نکلنے کا حکم دیا تھا۔“

جائزہ:

اس میں محض سکونت ترک کرنے کا ذکر ہے، اس کا یہ مفہوم لینا کہ وہ کسی جہادی مہم یا تجارتی غرض سے بھی مدینہ سے باہر نہیں نکل سکتے تھے بالکل غلط ہے۔

”سوم: اس علامت کے ظہور کے بعد ابو ذر رضی اللہ عنہ کا شام روانہ ہونا طے شدہ ہے، کیونکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھی ایسا حکم دیا تھا۔“

جائزہ:

جی بالکل! لیکن اس علامت کا ظہور کب ہوا واضح دلیل کا محتاج ہے نہ کہ موصوف کے ذہنی اختراع کا۔

”چہارم: ابو ذر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت ہی میں ظاہر کیا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ ہی کی خلافت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی گئی علامت ظاہر ہوئی تھی، جسے دیکھ کر ابو ذر رضی اللہ عنہ شام روانہ ہو گئے۔ یعنی عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے دور میں ابو ذر رضی اللہ عنہ شام گئے تھے، اس سے قبل آپ مدینہ میں ہی مقیم تھے۔“

جائزہ:

مذکورہ، و دیگر احادیث سے یہ تو ثابت ہے کہ سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ شام سے واپس مدینہ عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں آئے، لیکن کسی صحیح روایت سے یہ قطعاً ثابت نہیں کہ سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ مدینہ سے شام گئے بھی عہد عثمانی ہی میں تھے۔“

سنابلی صاحب کا یہ استدلال کہ ”ابو ذر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کو عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت ہی میں ظاہر کیا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ ہی کی خلافت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی گئی علامت ظاہر ہوئی تھی۔“، محل نظر بلکہ غلط ہے، کیونکہ سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ واپسی کے فیصلے پر ناپسندیدگی کا اظہار فرما رہے ہیں۔

اور یہ واضح ہے کہ اگر سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے لیے عہد عثمان رضی اللہ عنہ سے پہلے مدینہ چھوڑتے وقت یہ علامت ظاہر ہو چکی تھی تو وہ عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں بھی برقرار تھی، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان عمارتوں کو منہدم تو نہیں کرا دیا تھا، اس لیے آپ نے اس موقع پر یہ حدیث سنائی، یعنی سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ مدینہ چھوڑنے کے بعد اپنی وفات تک شام رہنا چاہتے تھے۔

سنابلی صاحب اپنے پہلے شاہد کے بعد جو درحقیقت ''استدلالات کا شاہکار'' تھا دوسرا شاہد پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ابوذر رضی اللہ عنہ کی بیوی ام ذر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کی قسم! عثمان رضی اللہ عنہ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو نہیں روانہ کیا بلکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اے ابوذر!) جب عمارتیں سلع تک پہنچ جائیں تو تم یہاں (مدینہ) سے نکل جانا۔ چناں چہ جب عمارتیں سلع تک پہنچ گئیں اور تجاوز کر گئیں تو ابوذر رضی اللہ عنہ شام کی طرف نکل گئے۔ پھر انھوں نے شام سے ابوذر رضی اللہ عنہ کی واپسی اور پھر ربذہ ان کی روانگی اور وہاں وفات کا ذکر کیا۔ (دلائل النبوة للبیھقی: ٦/ ٤٠١ واسنادہ صحیح......) ''(..........اعتراضات کا جائزہ، حصہ دوم ص ٢٥)

جائزہ:

جس روایت کو سنابلی صاحب ''اسنادہ صحیح'' کہہ کر بطور شاہد پیش کر رہے ہیں وہ حقیقت میں ضعیف ہے۔

مذکورہ روایت کی سند میں عبدالملک بن محمد، ابو قلابہ الرقاشی صدوق وحسن الحدیث ہونے کے باوجود مختلط بھی تھے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان سے متعلق فرمایا: ''صدوق يخطئ تغير حفظه لما سكن بغداد۔'' (تقریب التہذیب: ٤٢١٠)

حافظ زین الدین العراقی ایک راوی کے بارے میں فرماتے ہیں: ''قلت: وسماع القنطري من أبي قلابة بعد اختلاطه ليس بصحيح . قال ابن خزيمة في صحيحه: ثنا أبو قلابة بالبصرة قبل أن يختلط و يخرج الى بغداد . ''(ذيل ميزان الاعتدال ص ٦٣٥ رقم: ٦٣٦)

اسی بنا پر علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ بصرہ میں ابو قلابہ الرقاشی سے سماع قبل از اختلاط

ہےاور بغداد میں سماع بعداز اختلاط ہے۔

ہماری مذکورہ روایت کو ابو قلابہ الرقاشی سے احمد بن کامل القاضی بیان کررہے ہیں جنھوں نے بغداد میں سنا ہے۔ دیکھئے معجم المختلطین (ص ۲۱٦، ۲۱۷) لہٰذا یہ روایت ابو قلابہ کے اختلاط کی وجہ سے ضعیف ہے۔ علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو ضعیف ہی قرار دیا ہے۔ دیکھئے سلسلة ضعیفة (۱۲/ ٤٨٩ رقم: ٥٧١٩)

سنابلی صاحب نے امام بخاری رحمہ اللہ کے دعویٰ پر پیش کی گئی روایت کو ضعیف تسلیم کرنے کے بعد جس طرح اِطناب سے کام لیا، اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ آنجناب کے پاس اس سلسلے میں مزید ضعیف اور غیر متعلقہ روایات کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے اور جس ضعیف روایت کو وہ حسن ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ ضعیف شاہد اور غیر متعلقہ روایات کی بنا پر ضعیف ہی ہے، کیونکہ سنابلی صاحب ''جب عمارتیں سلع پہاڑی تک پہنچ گئیں اور یہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہوا تو ابوذر رضی اللہ عنہ شام کی طرف نکل گئے۔'' پر کوئی صحیح وصریح شاہد پیش نہیں کر سکے۔

امام احمد رحمہ اللہ کا رجوع؟

ہمارا سنابلی صاحب کے بارے میں حسن ظن تھا کہ ان جیسا ''محقق'' غیر ثابت اور بے اصل روایت کو دلیل و بنیاد نہیں بنا سکتا، چنانچہ ہم نے ثابت شدہ قول کو مقدم اور غیر ثابت و بے اصل کو مؤخر کر کے بطور تنبیہ لکھا کہ ''یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ امام احمد رحمہ اللہ سے یزید پر محض لعنت سے متعلق تو خاموشی ثابت ہے لیکن مطلق خاموشی کسی واضح اور صریح قول (دلیل) سے قطعاً ثابت نہیں ہے۔'' (ماہنامہ اشاعۃ الحدیث: ۱۳۴ص ۴۱)

ہم نے یہ بات مکمل تحقیق کے بعد پوری ذمہ داری سے لکھی تھی، لیکن اس ''حسن ظن'' کے نتیجے میں ہمیں کیا ''تحائف'' ملے: ''بدترین خیانت کا ارتکاب...... ''مغالطے میں ڈالا''...... ''ندیم ظہیر صاحب نے خیانت ومکاری کرتے ہوئے'' وغیرہ

(......اعتراضات کا جائزہ، حصہ اول میں ۲۴، ۲۵)

ع ان کی زبان انھیں ہی مبارک ہو

امام احمد رحمہ اللہ کے رجوع سے متعلق سنابلی صاحب کی ''صریح دلیل'' کا حال

سنابلی صاحب نے لکھا: ''دکتور محمد بن ہادی الشیبانی لکھتے ہیں:

"فی عَقِیْدَة أَحْمد الَّتِي كتبت عَنْهُ، وَذٰلِكَ قَبْلَ ثَلَاثَة أَيَّامٍ مِنْ وَفَاتِهِ: وَكَان يُمْسِكُ عَنْ يَزِيْدَ بْن مُعَاوِيَة وَيكله اِلَى اللّٰهِ."

امام احمد رحمہ اللہ کی وفات سے تین دن قبل ان کے جو عقائد لکھے گئے، ان میں ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ یزید بن معاویہ کے بارے میں خاموشی اختیار کرتے تھے اور ان کا معاملہ اللہ پر چھوڑتے تھے۔''

یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اخیر میں یزید کے معاملہ کو اللہ کے سپرد کر دیا تھا۔'' (یزید بن معاویہ..........۶۸۲،۶۸۱)

جائزہ:

دکتور محمد بن ہادی نے جس نسخے سے یہ عبارت نقل کی ہے وہ ہمارے شیخ رحمہ اللہ کے کتب خانہ میں موجود ہے جو دار الکتب العلمیہ، بیروت سے مطبوع ہے۔ وللہ الحمد

اس عبارت کو نقل کرنے والا کون ہے؟

سنابلی صاحب نے لکھا: ''ظاہر ہے کہ امام احمد کے کسی شاگرد نے اسے قلمبند کیا ہے۔'' (......اعتراضات کا جائزہ، حصہ اول ص ۲۵)

یہ بالکل غلط اور باطل ہے، کیونکہ اسے بیان کرنے والے ''اکلوتے'' حافظ ابو محمد رزق اللہ بن عبد الوہاب بن عبد العزیز تمیمی رحمہ اللہ ہیں جو تقریباً چار سو ہجری میں پیدا ہوئے۔ دیکھیے سیر اعلام النبلاء (۶۱۰/۱۸)

اب بتائیے یہ حافظ ابو محمد...... ۲۴۱ ہجری میں فوت ہونے والے امام احمد رحمہ اللہ کے شاگرد کس طرح بن گئے؟

ایک بے اصل اور غیر ثابت روایت کو ''صریح دلیل'' قرار دینا سنابلی صاحب جیسے

لوگوں کا ہی کام ہوسکتا ہے۔

اب سنابلی صاحب پر لازم ہے کہ اپنی حقیقی اور صریح دلیل کو حافظ ابومحمد رزق اللہ سے لے کر امام احمد رحمہ اللہ تک باسند صحیح ثابت کریں، ان کا محض یہ کہہ دینا کہ ''دکتور محمد بن ہادی نے ''طبقات حنابلہ'' کے جس نسخے سے نقل کیا ہے اس تک ہماری رسائی نہیں ہے، لیکن ہمیں ان کی نقل پر اعتماد ہے۔'' (......اعتراضات کا جائزہ، حصہ اول ص ۲۵) علمی میدان میں کافی نہیں ہے۔

ع لڑتے بھی ہو اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

ایک رسائی نہیں دوسرا ڈھٹائی دیکھو کہ غیر ثابت و بے اصل قول کو لے کر ہم پر ہی برس پڑے، حالانکہ یہ وہی شخص ہیں جنھوں نے لکھا تھا: ''واضح رہے کہ ہمارا موضوع الزامات پر بات کرنا ہے اس لیے اس باب میں تاریخی روایات میں تساہل درست نہیں ہے بلکہ ایسے معاملات میں تو حدیث سے زیادہ تاریخی روایات میں چھان بین کی ضرورت ہے۔'' (یزید بن معاویہ......ص ۲۸)

اس سے بڑھ کر تساہل کیا ہوگا کہ ایک غیر معروف معاصر کی ایسی بات پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے دعوے کی بنیاد رکھ دی کہ جس کا کوئی سر پیر ہی نہیں۔

ہم سنابلی صاحب سے پوچھتے ہیں کہ صحیح روایات کا جھانسہ دے کر غیر ثابت و بے اصل روایات بیان کرنا ''بدترین خیانت نہیں''؟ کیا یہ ''مغالطہ'' نہیں؟......بہر صورت جب موصوف کی غیر ثابت روایت صریح تو درکنار دلیل ہی کہلانے کا حق کھو بیٹھی ہے تو ہمارا یہ کہنا: ''امام احمد رحمہ اللہ سے یزید پر محض لعنت سے متعلق تو خاموشی ثابت ہے لیکن مطلق خاموشی کسی واضح اور صریح قول (دلیل) سے قطعاً ثابت نہیں ہے۔'' کل بھی بجا تھا اور آج بھی درست ہے۔ وللہ الحمد

سنابلی صاحب نے مزید لکھا: ''اگر کوئی اس دوسری روایت سے بھی اس بات پر استدلال کرے کہ امام احمد نے جرح سے رجوع کر لیا تھا تو یہ بالکل درست ہے، کیونکہ امام احمد رحمہ اللہ نے اس روایت کے مطابق یزید کو خیر القرون کی فضیلت کا مصداق بتلایا

ہے۔'' (......اعتراضات کا جائزہ، حصہ اول ص ۲۵)

جائزہ:

کیا لعنت اور عام جرح میں فرق نہیں؟ جب یہ معلوم ہے کہ لعنت نفرت وعداوت کی آخری حد ہے اور اس سے انتہائی ناپسندیدگی کا اظہار ہوتا ہے تو ایک محدث کا کسی کو لعنت کا مستحق نہ سمجھنے سے یہ کیسے لازم ہو گیا کہ اس کی عام جرح جو پہلے سے موجود ہے وہ بھی ختم ہوگئی!؟

یہ استدلال تو ایسے ہی ہے کہ کسی محدث کے ہاں پہلے سے ضعیف قرار پائے راوی سے متعلق پوچھا جائے کہ کیا وہ کذاب تھا؟ تو محدث اس کے ''کذب'' کا انکار کر دے، پھر کوئی اٹھ کر کہہ دے کہ محدث نے اس کے ''ضعف'' سے بھی رجوع کر لیا ہے!! جس طرح یہ غلط ہے اسی طرح لعنت سے خاموشی اختیار کر لینے سے یہ سمجھ لینا کہ انھوں نے عام جرح سے بھی رجوع کر لیا ہے بالکل غلط اور مردود ہے۔ باقی رہا سنابلی صاحب کا یہ فرمان: ''ظاہر ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ اگر یزید کی طرف منسوب ظلم، ظلماً صحابہ کا قتل اور مدینہ میں لوٹ کھسوٹ کو ثابت مانتے تو ہرگز اسے خیر القرون کی فضیلت کا مصداق نہیں بتلاتے۔''

(............اعتراضات کا جائزہ حصہ اول ص ۲۵، ۲۶)

تو عرض ہے کہ اہل ایمان و مسلمان خواہ کتنا ہی گناہ گار کیوں نہ ہو اُسے اس فضیلت سے محروم نہیں کیا جا سکتا، یہی اہل سنت کا موقف ہے۔ کسی کو اس فضیلت سے محروم کرنے کے لیے اسے کافر، مشرک یا منافق ثابت کرنا ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک یزید اہل ایمان میں سے اور مسلمان ہی ہے، لہٰذا سنابلی صاحب کے اس استدلال سے بھی امام احمد رحمہ اللہ کا رجوع قطعاً ثابت نہیں ہوتا۔

آخر میں سنابلی صاحب نے ''دھمکی نما عرض'' کی ہے......تو ہماری عرض یہ ہے کہ آپ نے کوئی کسر چھوڑی ہے جو اَب آپ کو یہ ''دھمکی نما عرض'' لکھنے کا خیال آ گیا، کیا آپ اس سے بھی بڑھ کر قلم کو دراز کر سکتے ہیں؟......جو شاید ''صریح گالیاں'' ہی ہوں گی! بہر حال آپ اپنے شوق پورے کریں، ہم نے تو پہلے بھی ایک دائرے کے اندر رہ کر نقد کیا تھا۔ اب بھی اس میں مزید بہتری لانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ لا حول و لا قوۃ الا باللّٰہ.

ابوالاسجد محمد صدیق رضا

غیر اللہ سے دُعا اور چند قرآنی سوالات (آخری قسط)

تیسرا سوال: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ ؕ اِیْتُوْنِیْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَاۤ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗۤ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَ هُمْ عَنْ دُعَآىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ○ وَ اِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِیْنَ﴾ (الاحقاف: 6-4)

احمد سعید کاظمی صاحب نے ان آیات کا ترجمہ لکھا:

''آپ فرمائیں ذرا بتاؤ تو تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی پوجا کرتے ہو مجھے دکھاؤ انہوں نے زمین کا کون سا جز بنایا یا آسمان (کے بنانے) میں ان کا کچھ حصہ ہے؟ لاؤ میرے پاس اس سے پہلے کوئی کتاب یا (پہلے) علم کا کچھ بچا ہوا (حصہ) اگر تم سچے ہو اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر اُن کو پکارے جو قیامت تک ان کی فریاد رسی نہ کر سکیں اور وہ ان کے پکارنے سے بے خبر ہیں اور جب (قیامت کے دن) لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ (جھوٹے معبود) ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کے منکر ہو جائیں گے۔''

(البیان ص 804-803)

غلام رسول سعیدی صاحب نے کچھ اس طرح ترجمہ کیا:

''آپ کہیے تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو کیا تم نے دیکھا انہوں نے کیا پیدا کیا ہے۔ ذرا مجھے بھی دکھاؤ انہوں نے زمین کا کون سا حصہ پیدا کیا ہے یا آسمانوں کے بنانے میں ان کا کوئی حصہ ہے، میرے پاس اس سے پہلے کی کوئی کتاب لاؤ یا (پہلے) علم کا کچھ بقیہ حصہ اگر تم سچے ہو۔ اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو ان کو پکارے جو قیامت تک ان

کی فریاد نہ سن سکیں اور وہ ان (کافروں) کی پکار سے بے خبر ہیں۔ اور جب لوگوں کو (میدانِ حشر) میں جمع کیا جائے گا تو (ان کے خودساختہ معبود) ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کے منکر ہوں گے۔'' (تبیان القرآن 38/11)

پیر کرم شاہ بھیروی صاحب نے ترجمہ اس طرح کیا:

''فرمایئے (اے کفار) کبھی تم نے غور سے دیکھا ہے جنھیں تم اللہ کے سوا (خدا سمجھ کر) پکارتے ہو (بھلا) مجھے بھی دکھاؤ جو پیدا کیا ہے انہوں نے زمین سے یا ان کا آسمانوں کی تخلیق میں کچھ حصہ ہے لاؤ میرے پاس کوئی کتاب جو اس سے پہلے اتری ہو یا کوئی (دوسرا) علمی ثبوت اگر تم سچے ہو۔ اور کون زیادہ گمراہ ہے اس (بدبخت) سے جو پکارتا ہے اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو جو قیامت تک اس کی فریاد قبول نہیں کرسکتا اور وہ ان کے پکارنے سے ہی غافل ہیں اور جب جمع کیے جائیں گے لوگ (روزِ محشر) تو وہ معبود ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا صاف انکار کردیں گے۔'' (ضیاء القرآن 472/4)

کاظمی صاحب نے ﴿تَدْعُوْنَ﴾ کا ترجمہ ''پوجا'' اور سعیدی صاحب نے ''عبادت'' کردیا، جبکہ کئی مقامات پر اس کا ترجمہ ''تم پکارتے ہو'' کیا ہے، جیسا کہ سورۂ انعام کی آیت (63) میں کیا ہے، حالانکہ آیت کے سیاق سے واضح ہے کہ ﴿تَدْعُوْنَ﴾ سے مراد یہاں بھی ''دعا'' اور پکارنا ہے، چونکہ اسی بیان کے تسلسل میں آگے بھی ''دعا'' ہی کا ذکر ہے۔ اس میں تینوں مترجمین نے ''یدعو'' اور ''دعائھم'' کا ترجمہ پکارنا ہی کیا ہے۔

پیر آف بھیرہ نے ترجمہ تو ''پکارنا'' ہی کیا لیکن بریکٹ میں ''خدا سمجھ کر'' پکارتے ہو لکھ دیا، جبکہ قرآن وسنت اور خود ان لوگوں کی تصریحات سے ثابت ہے کہ مشرکین مکہ اپنے ان معبودوں کو اللہ کی مخلوق سمجھتے تھے، جیسا کہ کاظمی صاحب کو بھی اعتراف ہے:

''مشرکین بتوں کی پوجا کرتے تھے ان سے پوچھا گیا کہ تم جو بتوں کی پوجا کرتے ہو ان کو کس نے پیدا کیا؟ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''کہیں گے اللہ نے پیدا کیا ہے۔''

(توحید اور شرک ص 8 مطبوع جماعت اشاعت اہلسنت کراچی)

پھر یہ کہ جب دعا عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی بھی عبادت شرک ہے تو یہ عبادت خواہ ''خدا سمجھ کر'' کی جائے یا ''خدا کا نیک بندہ'' سمجھ کر تو وہ شرک ہی ہوگا، لہٰذا یہ اضافہ بھی غیر ضروری ہے۔ اس ضروری وضاحت کے بعد دیکھیے اس آیت میں بھی ایک سوال ہے وہ یہ کہ ''جنھیں تم اللہ کے علاوہ (مشکل کشائی کے لیے پکارتے ہو) بھلا بتلاؤ تو زمین وآسمان کا کون سا حصہ ہے جو انہوں نے پیدا کیا؟''

آج جو لوگ اللہ کے نیک بندوں سے دعائیں مانگتے ہیں اور ان سے دعا مانگنا جائز سمجھتے ہیں، وہ سوچیں اور جواب دیں کہ ان نیک بندوں میں کون ہے جس کے متعلق یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہو کہ زمین وآسمان میں سے یہ فلاں فلاں حصے کے خالق ہے۔ قرآن مجید اور نبی کریم ﷺ کی پیروی میں آج ہم بھی یہی سوال پوچھتے ہیں کہ بتاؤ! زمین وآسمان کی تخلیق میں ان کا کیا حصہ ہے؟ اوروں کا ذکر تو رہنے دیجیے افضل الخلق امام الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں بھی کوئی مومن یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ آپ ﷺ نے زمین یا آسمان کا کوئی حصہ پیدا کیا اور آپ بعض چیزوں کے خالق ہیں۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے اعلیٰ واولیٰ مقام ومرتبہ آپ ﷺ کا ہے اور اللہ کے بعد سب سے زیادہ محبت بھی آپ ہی سے واجب ہے، لیکن کسی ایک چیز کے بھی خالق نہیں، مخلوق ہیں اور مخلوق میں سب سے اعلیٰ وافضل۔ جب آپ خالق نہیں تو دوسرے مقرب بندے خالق کیسے ہو سکتے ہیں؟ جب وہ خالق نہیں اور یہی اُن سے دعائیں مانگنے والے کا عقیدہ بھی ہے تو پھر اُن سے دعائیں مانگنا اور دعا مانگنے کو جائز سمجھنے کے لیے درست ہوسکتا ہے؟ پیر کرم شاہ صاحب بھیروی نے ان آیات کی تفسیر میں لکھا:

''اگر تمہارے بتوں نے زمین وآسمان کی تخلیق میں کچھ حصہ لیا ہے تو اسے دلیل سے ثابت کرو......ان میں سے کسی میں یہ لکھا ہوا دکھا دو کہ تمہارے فلاں بت یا فلاں معبود نے زمین وآسمان کی فلاں چیز بنائی ہے اگر تم اس قسم کا کوئی حوالہ کسی آسمانی کتاب سے نہیں دکھا سکتے تو چلو کوئی عقلی ثبوت ہی پیش کر دو......یعنی وہ علم جو صرف تمہیں حاصل ہوا تم سے پہلے جو لوگ

گزرے ہیں ان کی رسائی اس تک نہیں ہوئی۔ اگر تمھارے پاس نہ کوئی نقلی دلیل ہے اور نہ عقلی دلیل تو پھر بلا وجہ جان بوجھ کر ایسی غلطی نہ کرو جس سے توبہ و رجوع نہ کیا گیا تو اس کی سزا ابدی جہنم ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ○ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴾(النحل: 20، 21)

''اللہ کے سوا جن لوگوں کو یہ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کے خالق نہیں اور وہ خود مخلوق ہیں۔ وہ مردہ ہیں زندہ نہیں ہیں اور وہ یہ شعور نہیں رکھتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔''

ان آیات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ دعا مخلوق سے نہیں اُن کے خالق سے مانگنی چاہیے۔ مخلوق تو فوت ہو چکے ہیں اور جو زندہ ہیں وہ بھی بالآخر فوت ہو جائیں گے۔ انھیں یہ تک معلوم نہیں کہ کب قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ ان آیات کے برخلاف موقف کے حامل بعض لوگوں نے اپنے دفاع کی جو ناکام کوشش کی ہے۔ اس کا جواب ان شاء اللہ کسی دوسری فرصت میں عرض کیا جائے گا۔

چوتھا سوال: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴾(الانعام: 40،41)

پیر کرم شاہ بھیروی صاحب نے ان آیات کا ترجمہ اس طرح کیا ہے: ''اگر آئے تم پر اللہ کا عذاب یا آجائے تم پر قیامت کیا اُس وقت اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے؟ بتاؤ اگر تم سچے ہو بلکہ اسی کو پکارو گے تو دور کر دے گا وہ تکلیف پکارا تھا تم نے جس کے لیے اگر وہ چاہے گا اور تم بھلا دو گے انھیں جنھیں تم نے شریک بنا رکھا تھا۔'' (ضیاء القرآن 552-553/1)

غلام رسول سعیدی بریلوی صاحب نے ان آیات کا ترجمہ یوں لکھا ہے:

’’آپ کہیے یہ بتاؤ اگر تمہارے پاس اللہ کا عذاب آئے یا تم پر قیامت آجائے۔ کیا (اس وقت) اللہ کے سوا کسی اور کو (مدد کے لیے) پکارو گے؟ (بتاؤ!) اگر تم سچے ہو؟ بلکہ تم اسی کو پکارو گے، پس اگر وہ چاہے گا تو وہ اس تنگی کو کھول دے گا جس کے لیے تم اس کو پکارو گے اور تم انہیں بھول جاؤ گے جن کو (اللہ کا) شریک بناتے تھے۔‘‘ (تبیان القرآن 450/3)

ان آیات کی تفسیر میں سعیدی صاحب نے لکھا:

’’مصیبتوں میں صرف اللہ کو پکارنا انسان کا فطری تقاضا ہے:

پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کی جاہلیت کو واضح کیا اور یہ بتایا کہ تمام کائنات میں اللہ تعالیٰ کا علم محیط ہے اور اسی کائنات میں وہی حقیقی متصرف ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرما دیا کہ جب ان کافروں پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو پھر یہ اللہ تعالیٰ ہی کی پناہ میں آتے ہیں اور اس کی اطاعت کرنے سے سرکشی نہیں کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی فطرت کا بھی یہی تقاضا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مشکل کشا اور حاجت روا نہیں ہے اور مصیبتوں اور تکلیفوں میں وہی واحد نجات دینے والا اور کارساز ہے۔

اے رسول مکرم! آپ ان مشرکین سے کہیے کہ جس طرح سابقہ امتوں پر عذاب آئے تھے، ان کو زمین میں دھنسا دیا جاتا تھا، یا ان پر سخت آندھیاں آتی یا بجلی کی کڑک آلیتی یا طوفان آتا، اگر تم پر ایسا ہی عذاب آجائے یا تم پر قیامت آجائے تو کیا تم اس وقت اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے جو تم سے ان مصائب کو دور کرے گا یا تم اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بتوں کو پکارو گے جو تم کو ان تکلیفوں سے نجات دیں گے۔ بتاؤ اگر تم ان بتوں کی عبادت میں سچے ہو؟‘‘ (تبیان القرآن 465/3)

گو اس مقام پر بھی سعیدی صاحب مسلکِ بریلویہ کا دفاع کرنا نہ بھولے، لیکن اس حقیقت کا اعتراف کر لیا کہ ’’مصیبتوں میں صرف اللہ کو پکارنا انسان کا فطری تقاضا ہے‘‘ اور یہ بھی کہ ’’فطرت کا یہی تقاضا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مشکل کشا اور حاجت روا نہیں اور مصیبتوں، تکلیفوں میں وہی اللہ واحد نجات دینے والا اور کارساز ہے۔ اب جو اللہ تعالیٰ کے

علاوہ اوروں کو سب کا مشکل کشا، حاجت روا، فریاد رس، نجات دینے والا اور کارساز سمجھتے ہیں وہ اپنے ہی اس بیان کے مطابق فطرت سے ہٹے ہوئے ہیں۔

المختصر کہ ان آیات کے بریلوی ترجموں سے بھی ظاہر ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انھیں سمجھانے کے لیے ایک سوال کیا اور اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ یہ سوال کیجیے کہ بتاؤ اگر تمھارے پاس اللہ کا عذاب آئے یا تم پر قیامت آجائے تو کیا (اس وقت) تم اللہ کے سوا کسی اور کو (اس مصیبت سے نجات پانے کے لیے) پکارو گے، دعا کرو گے؟

یہی سوال اگر آج بہت سے مشکل کشاؤں، حاجت رواؤں کا عقیدہ رکھنے والوں سے پوچھا جائے اور اللہ کے حکم اور نبی کریم ﷺ کے اتباع میں ہمیں پوچھنا بھی چاہیے ہم پوچھتے بھی ہیں، تو سوچیے ان کا جواب کیا ہوگا؟

اگر کہیں کہ ہاں ہم تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو، شیخ جیلانی و علی ہجویری وغیرہم کو بھی مشکل کشا، حاجت روا فریاد رس اور کارساز سمجھتے ہیں، مانتے ہیں تو ہم مصیبتوں، پریشانیوں اور تکلیفوں سے نجات پانے کے لیے ان کو بھی پکاریں گے۔ اگر یہ جواب دیں تو سعیدی صاحب نے لکھا: ''اللہ تعالیٰ از خود اس سوال کا جواب دیتا ہے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بلکہ تم اسی کو پکارو گے۔'' (تبیان 465/3)

واقعتاً اللہ تعالیٰ کا تعلیم فرمودہ و بیان کردہ جواب یہی ہے کہ ﴿بَلْ اِیَّاہُ تَدْعُوْنَ﴾ ''بلکہ تم صرف اسی (اللہ) کو پکارو گے۔'' تو غیر اللہ سے دعائیں مانگنے والوں کا یہ جواب قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے سکھلائے ہوئے جواب سے مختلف ہوگا کہ اس میں صرف اللہ سے دعا کا ذکر ہے، جبکہ مذکورہ بالا جواب میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور لوگوں کے بھی مشکل کشا و حاجت روا ہونے کا نظریہ ہے۔ قرآن مجید کے خلاف ہونے کی وجہ سے یہ جواب اور عقیدہ یقیناً باطل ہے اور اگر وہ اپنے عقیدے و نظریے اور معمول کے برخلاف یہ جواب دیں کہ ہم تو مصیبتوں اور تکلیفوں سے نجات کے لیے صرف اللہ ہی کو پکاریں گے اسی سے دعائیں مانگیں گے تو ان کا عقیدہ و نظریہ اور عمل باطل ثابت ہو جائے گا۔

قارئین کرام! یہ قرآن مجید کی چند آیات تھیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے کچھ سوالات قائم فرمائے ہیں اور بعض مقامات پر ان کے جوابات بھی بیان فرما دیے ہیں۔ اگر ان سوالات و جوابات کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو اللہ کے علاوہ کسی سے دعا مانگنے کے جواز و فعل کی گنجائش و تصور تک پیدا نہ ہو۔ اس قسم کی جتنی آیات پیش کی جاتی ہیں ان میں ﴿مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ یعنی اللہ کے سوا یا اللہ کے علاوہ کے الفاظ آتے ہیں تو بہت سے لوگ اس پر اصرار کرتے ہیں کہ ﴿مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ کے مصداق اور اس سے مراد ''بت'' ہیں۔ ان شاء اللہ ہم آیندہ ''﴿مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ کے مصداق کون'' کے عنوان سے ایک مضمون میں اس کی وضاحت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

شذرات الذہب

☆ امام ابوالمظفر سمعانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۴۸۹ھ) نے فرمایا: ''إِنَّ الْحَقَّ وَاحِدٌ وَمَا عَدَاهُ بَاطِلٌ.'' بلاشبہ حق ایک ہی ہے اور جو اس کے علاوہ ہے وہ باطل ہے۔

(قواطع الأدلة في الأصول: ۲/ ۱)

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''مِنْ إِزَالَةِ الْعِلْمِ أَنْ تُجِيْبَ كُلَّ مَنْ يَسْأَلُكَ.'' علم کے ضیاع میں سے (یہ بھی) ہے کہ آپ ہر سائل کو جواب دیتے جائیں۔ (العلل و معرفة الرجال للإمام احمد: ٥٣٤ و سنده حسن)

☆ امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''لَا يَكُوْنُ إِمَامًا فِي الْعِلْمِ مَنْ أَخَذَ بِالشَّاذِ مِنَ الْعِلْمِ وَلَا يَكُوْنُ إِمَامًا فِي الْعِلْمِ مَنْ رَوَى عَنْ كُلِّ أَحَدٍ وَلَا يَكُوْنُ إِمَامًا فِي الْعِلْمِ مَنْ رَوَى كُلَّ مَا سَمِعَ.'' وہ شخص علم میں امام نہیں ہوسکتا جو علم میں سے شاذ اقوال لیتا ہے، نہ وہ امام ہوسکتا ہے جو ہر کس و ناکس سے بیان کرتا ہے اور نہ وہی امام ہوسکتا ہے جو ہر سنی ہوئی بات کو بیان کردے۔

(التاريخ الكبير لا بن أبي خيثمة: ۱/ ۲۲۷ و سنده صحيح)

پروفیسر محمد جُمن کُنبھر، سندھ

فتنہ انکار حدیث اور عزیز اللہ بوہیو (قسط:1)

فاضل مضمون نگار عظیم مبلغ وداعی اور علم دوست ہیں، جمعیت اہل حدیث سندھ کے نائب ناظم اعلیٰ ہیں اور دفاعِ حق کے جذبے سے سرشار ہیں، زیر نظر مضمون اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

عزیز اللہ بوہیو نامی شخص نے جب ''انکار حدیث'' فتنے کو ہوا دی تو موصوف نے اس کے اعتراضات کے جوابات دیتے ہوئے بھرپور طریقے سے نبی کریم ﷺ کی حدیث کا دفاع کیا جو کئی صد صفحات پر مشتمل اب ایک ضخیم کتاب کی صورت میں منصۂ شہود پر آ چکی ہے، چونکہ یہ تحریر سندھی زبان میں ہے اور بہت سے لوگ سندھی زبان سے نا آشنا ہیں، لہٰذا ہماری درخواست پر فاضل مولف نے خود اسے اردو قالب میں ڈھال کر اشاعت الحدیث کے صفحات کی زینت بنایا ہے۔

جزاہ اللّٰہ خیرًا (ادارہ)

الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الأمین ، أما بعد:

عزیز اللہ بوہیو ''حدیث'' کی شرعی حیثیت پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''میری باتوں سے پریشان ہونے والے دینداروں اور اسلام سے محبت رکھنے والے دردمند مسلمانوں سے میں درخواست کرتا ہوں، اپیل کرتا ہوں، التجا کرتا ہوں کہ وہ علماء کرام سے جا کر پوچھیں کہ کیا قرآن حکیم اپنی تعبیر اور تشریح میں دوسروں کا محتاج ہے؟......قرآن کو رب پاک نے ﴿ تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ ﴾ ہر چیز کو کھول کر بیان کرنے والا کہا ہے، قرآن کا تعارف کراتے ہوئے رب فرماتے ہیں: ﴿ هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ اِلَیۡکُمُ الۡکِتٰبَ مُفَصَّلًا ﴾ ۶۔۱ ، یعنی رب نے آپ کی طرف مفصل کتاب بھیجی ہے، سورۂ دخان کی آیت ۵۸ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ فَاِنَّمَا یَسَّرۡنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمۡ یَتَذَکَّرُوۡنَ ﴾ یعنی ہم نے قرآن کو آپ کی

زبان میں آسان کر کے نازل کیا ہے شاید کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔...... پھر بھی علماء نے قرآن سے آگے نکل کر دین کے اصول بنانے کے لیے فارس کے اماموں کی گھڑی ہوئی حدیثوں کو دین کا اصل قرار دے کر ان کی طرف سے غیر قرآنی باتوں کو دین بنایا......ان علماء نے اجماع کو بھی دین کا اصل قرار دیا ہے جس کا ان کے پاس کوئی مستند حوالہ بھی نہیں ہے۔'' (قرآن مھجور، ص 7-8)

جاننا چاہیے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام اور غیر مخلوق ہے۔ دین اسلام کے بنیادی احکام اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اجمالاً بیان فرمائے ہیں۔ ان احکامات کی مکمل تفصیل اور ان کا عملی نمونہ، سیدنا محمد ﷺ نے بتایا اور عملی طور پر کر کے بھی دکھایا، جس کو علم کی دنیا میں سنت یا حدیث کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے پیغمبر محمد ﷺ کی گفتگو کا معیار اور اس کی حیثیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ ''اور وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے، وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔'' (النجم: 3-4)

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَاۗىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا﴾ ''یقیناً ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ یہ کتاب نازل فرمائی ہے، تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس چیز کے مطابق فیصلہ کریں جس سے اللہ نے آپ کو شناسا کیا ہے اور آپ خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بنیں۔'' (النسآء:105)

قرآن مجید کی مذکورہ آیات مبارکہ سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوئی کہ نبی کریم ﷺ دین کے کسی کام یا حکم میں اپنی ذاتی چاہت اور خواہش کا اظہار تک نہیں کرتے بلکہ آپ نے جو کچھ فرمایا اور کیا وہ وحی الٰہی کی تعلیم کے مطابق فرمایا اور کیا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ پر صرف قرآن مجید نازل نہیں کیا بلکہ اس کو آپ کے سینۂ مبارک میں محفوظ کرنے اور اس کا مطلب ومقصد سمجھانے کی ذمہ داری بھی خود لی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ﴾

''بلاشبہ اس کا (آپ کے سینۂ مبارک میں) جمع کرنا اور (آپ سے) اس کا پڑھوا دینا ہمارے ذمے ہے، پھر جب ہم اسے پڑھوا چکیں تو آپ اس کے پڑھنے کا اتباع کریں، پھر

یقیناً اس کی وضاحت ہمارے ذمے ہے۔'' (القیامۃ: 19-17)

﴿وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ﴾

''اور یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل کیا گیا ہے آپ اسے کھول کر بیان کر دیں، شاید کہ وہ غور وفکر کریں۔'' (النحل:44)

بیان کی گئی دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں دین کے جتنے بھی احکام اللہ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں ان سب کا مطلب، معانی ومفہوم اور عملی نمونہ بھی اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے سے سمجھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا سختی کے ساتھ پابند کیا تھا کہ آپ کو جس طرح یہ احکام سمجھائے گئے ہیں ٹھیک اسی طرح آپ اپنی امت کو بھی سمجھائیں۔ ظاہر ہے کہ جو حکم اپنے الفاظ میں سمجھایا جائے گا وہ اصل چیز سے مختلف اور مضمون کے لحاظ سے اصل سے زیادہ بھی ہوگا۔ یہاں لوگوں کو بھی متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ قرآن حکیم کے احکامات کو سمجھنے کے لیے صرف اور صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کریں۔ وہ لوگ جو صرف قرآن مجید ہی کی بات کرتے ہیں، ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ صاحبِ قرآن سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے دین کے احکامات کی جو قولی وفعلی تشریح اور توضیح بیان کی تھی اس کو کیا نام دیں گے اور وہ آج ہمارے پاس کس صورت میں موجود ہے؟ پہلی وحی سے لے کر آخری وحی آنے تک آپ نے قرآن مجید کی جو تفسیر اور تفصیل بیان کی تھی وہ کسی بھی صحابی نے یاد نہیں کی؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اتنے بڑے جمِ غفیر سے وہ تفسیر اور تفصیل نقل کرنے والا کوئی بھی پیدا نہ ہوا؟ اگر یہ بات سچی سمجھی جائے تو قرآن مجید کے اس حکم: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ ''ہم نے اس ذکر (قرآن) کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔'' (الحجر:9) کو کیسے سچا سمجھا جائے کہ قرآن تو محفوظ ہے، لیکن اس کی تشریح اور توضیح جو صاحب قرآن نے کی تھی وہ مفقود ہے؟ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا ہے تو اس کی تشریح کا ذمہ بھی اُس کے سپرد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰه

سے لے کر وَالنَّاسِ تک نہ صرف قرآن مجید محفوظ و مامون ہے بلکہ اس کی وضاحت اور تشریح جو سیدنا محمد ﷺ نے فرمائی، وہ قولی، فعلی اور تقریری حدیث کی صورت میں محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گی۔ ان شاء اللہ

یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ کسی بھی دور میں کوئی بھی شخص قرآن مجید میں ذکر کیے گئے احکامات، اصطلاحات اور الفاظ اس وقت تک نہیں سمجھ سکتا جب تک وہ صاحبِ وحی نبی کریم ﷺ کی طرف رجوع نہ کرے۔ اگر کسی شخص نے قرآن مجید کو لغت، اپنی عقل اور ذاتی رائے کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی تو گمراہی اس کا مقدر بنے گی۔ جس دور میں قرآن مجید نازل ہو رہا تھا اور صاحب قرآن سیدنا محمد ﷺ بھی موجود تھے، اس دور میں عربی زبان بولنے، سمجھنے اور لکھنے والے بھی کبھی قرآن کریم کے احکامات کو سمجھ نہ پاتے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

((خُذُوا الْقُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ: مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ۔ فَبَدَأَ بِهِ......))

(صحيح البخاري:3808)

''قرآن مجید چار (آدمیوں) سے سیکھو: عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے، پھر آپ نے ان کے نام سے ابتدا کی۔''

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا بڑا علم و فہم عطا کیا تھا۔ اس متبحر العلم شخص کی مبارک زندگی کا واقعہ پڑھتے چلیں۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: لَمَّا نَزَلَت: ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ (الأنعام:82) شَقَّ ذَلِكَ عَلَى أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، وَقَالُوا: أَيُّنَا لَا يَظْلِمُ نَفْسَهُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَيْسَ هُوَ كَمَا تَظُنُّونَ، إِنَّمَا هُوَ كَمَا قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ: ﴿يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾)) (لقمان:13)

جب یہ آیت نازل ہوئی کہ ''جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے'' تو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ (رضی اللہ عنہم) پر گراں گزری اور انھوں نے کہا: ہم میں سے

کون ایسا شخص ہے جس نے ظلم نہ کیا ہو؟ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس سے وہ ظلم مراد نہیں جو تم سمجھ رہے ہو بلکہ اس سے مراد شرک ہے، جیسا کہ لقمان (علیہ السلام) نے اپنے بیٹے سے کہا تھا: ''اے میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرانا، یقیناً شرک ظلم عظیم ہے۔''

(صحیح مسلم:124[327])

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی صفت ہے اس کی ایک ایک آیت اور ہر ہر لفظ کا معنی و مطلب سمجھنے کے لیے صاحبِ قرآن سیدنا محمد ﷺ ہی کی طرف رجوع کیا جائے گا، بلکہ کسی باسند صحیح حدیث میں موجود الفاظ کے معنی اور اس کا مفہوم جاننے کے لیے بھی رسول اللہ ﷺ کی ضرورت ہوتی ہے۔ امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث مبارکہ جو ''حدیث جبریل'' کے نام سے مشہور ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں:
''فَأَخْبِرْنِيْ عَنِ الْإِحْسَانِ، قَالَ: ((أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ))...... پھر بتلاؤ احسان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت اس طرح (خشوع و خضوع) سے کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے، اگر یہ نہیں تو (یہ یقین کر لے کہ) وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔'' (صحیح مسلم: 8[93])

ذکر کردہ دو مثالیں اُس دور کی بیان کی ہیں جس دور میں سر سید احمد خان، مولوی عبداللہ چکڑالوی، مولوی چراغ علی، مولوی اسلم جیراجپوری، چوہدری غلام احمد پرویز، مولوی احمد دین امرتسری، مولوی محبّ الحق عظیم آبادی، تمنا عمادی، قمر دین قمر، نیاز فتح پوری، سید مقبول احمد، علامہ مشرقی، حشمت علی لاہوری، مستری محمد رمضان گجراتی، سید رفیع الدین ملتانی، شبلی نعمانی، حمید الدین فراہی، امین احسن اصلاحی، ابوالاعلیٰ مودودی، محمود احمد عباسی، جاوید احمد غامدی اور عزیز اللہ بوہیو وغیرہ کے ارواح، عالم ارواح میں تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظیم جماعت میں بڑے بڑے عالم اور فقیہ شخص موجود تھے، پھر بھی وہ وحی الٰہی کی مراد سمجھ نہ سکے۔ وہ پریشان ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی مشکل کا ذکر کیا۔ آپ نے وحی الٰہی کی روشنی میں انہیں ایسا آسان جواب دیا کہ وہ مطمئن ہو گئے اور بعد میں آنے

والوں کے لیے ایک پیغام دے دیا کہ زندگی کے جس موڑ پر کسی علمی الجھن کا شکار ہو جاؤ تو مایوس مت ہونا، نبی کریم ﷺ کے فرمان کی طرف رجوع کر لینا، آپ کی علمی مشکل دور ہو جائے گی۔اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ بڑے سے بڑے عالم کو بھی قرآن مجید سمجھنے سمجھانے اور اس پر عمل کرنے میں دقت اور مشکل پیش آ سکتی ہے۔سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں یہ نصیحت موجود ہے کہ کسی بھی دور کے کسی شخص کو قرآن حکیم کے کسی مقام کو سمجھنے میں مشکل پیش آئے تو وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا منہج اختیار کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ کی حدیث کی طرف رجوع کرے نہ کہ اپنی ذاتی رائے یا سوچ پر عمل پیرا ہو۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا بھی یہی حکم ہے: ﴿فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِىۡ شَىۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ﴾ ''پھر اگر تم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اُسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔'' (النسآء:59)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ فَلَنْ تَضِلُّوا أَبَدًا كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ ﷺ ۔......)) ''اے لوگو! میں تمھارے درمیان وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں، اگر تم اس کو مضبوطی سے تھامے رہو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے (وہ ہے:) اللہ کی کتاب (قرآن حکیم) اور اس کے نبی ﷺ کی سنت (حدیث)۔''

(المستدرك على الصحيحين للحاكم:318، وسنده حسن لذاته، موطأ إمام مالك: 1708، سنن الدارقطني: 4559)

جب سے انبیاء و رسل علیہم السلام کا مبارک سلسلہ شروع ہوا تب سے لے کر خاتم النبیین سیدنا محمد ﷺ تک جتنے بھی نبی و رسول مبعوث ہوئے ان سب کی یہی ذمہ داری تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ وحی کی تشریح اور وضاحت کریں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحۡيًا اَوۡ مِنۡ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوۡ يُرۡسِلَ رَسُوۡلًا فَيُوۡحِىَ بِاِذۡنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِىٌّ حَكِيۡمٌ﴾ ''اور یہ کسی بندے کے لائق نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعے سے یا پردے کے پیچھے سے یا کسی فرشتے کو بھیج کر اور وہ اللہ کے حکم سے جو اللہ چاہے وحی کرتا ہے، بلاشبہ وہ بلند مرتبہ حکمت والا ہے۔'' (الشوریٰ:51)

دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کے ساتھ اس کی تشریح کرنے والی چیز بھی اتاری تھی، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ﴾ ''اور اللہ نے تجھ پر کتاب وحکمت اتاری ہے۔''
(النسآء:113)

﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَ الْحِكْمَةِ﴾ ''اور تمھارے گھروں میں جو اللہ کی آیات اور حکمت (سنت کی باتیں) پڑھی جاتی ہیں وہ یاد کرو۔'' (الاحزاب:34)

﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ ''وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انھیں اس (قرآن) کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔ یقیناً اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔'' (الجمعة:2)

مذکورہ بالا آیات مبارکہ میں کتاب اللہ، یعنی قرآن مجید کے ساتھ ''حكمة'' کا ذکر کیا گیا ہے حکمت سے کیا مراد ہے؟ اس حوالے سے سلف وخلف کے بعض اقوال پیش کیے جاتے ہیں۔ مشہور محدث امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 204ھ) فرماتے ہیں:

"فَذَكَرَ اللّٰهُ الْكِتَابَ، وَهُوَ الْقُرْآنُ وَذَكَرَ الْحِكْمَةَ، فَسَمِعْتُ مَنْ أَرْضَى مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْقُرْآنِ يَقُولُ: الْحِكْمَةُ سُنَّةُ رَسُولِ اللّٰهِ......"

''اللہ (تعالیٰ) نے اس آیت میں جس کتاب کا ذکر کیا ہے وہ قرآن ہے اور جس حكمة کا ذکر کیا ہے میں نے (اس سے متعلق) قرآن کے ان علم رکھنے والوں سے سنا، جنھیں میں (ان کے علم وعمل کی وجہ سے) پسند کرتا ہوں کہ ''حكمة'' سے مراد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت ہے۔'' (الرسالة:فقرہ: 252، دارالکتب العلمیة، بیروت، لبنان2009م)

مشہور مفسر حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 774ھ) لکھتے ہیں:

"وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ:يَعْنِى الْقُرْآنُ، وَالْحِكْمَةَ: يَعْنِى السُّنَّةُ"

(تفسیر القرآن العظیم، الطبعة الاولیٰ 1414ھ-1994م، طبع کویت 253/1)

علامہ محمد بن علی الشوکانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 1250ھ) لکھتے ہیں:

" وَالْحِكْمَةُ: السُّنَّة النَّبوِي مَعَ أَنْزَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ عَلَيْكَ . "
(القرآن الكريم و بالهامش زبدة التفسير من فتح القدير ، الطبعة الخامسة 1414هـ 1994م ، طبع كويت ص122)

شیخ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 1376ھ) لکھتے ہیں:
"وَالْحِكْمَةُ: اِمَّا السُّنَّة الَّتِي قَدْ قَالَ فِيهَا بَعْضُ السَّلَفِ: اِنَّ السُّنَّةَ تنزل عَلَيْهِ كَمَا يَنْزِلُ الْقُرْآنَ . "(تفسير السعدي ، مؤسسة الرسالة ناشرون ، دمشق ، سوريا ، الطبعة الثانية 1434هـ 2013م ، ص199)

جناب اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 1943ء) لکھتے ہیں:
''قرآن وحدیث کے حکم پر چلنا اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ''میں تم لوگوں میں ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم اس کو تھامے رہو گے تو کبھی نہ بھٹکو گے ایک تو اللہ کی کتاب یعنی قرآن اور دوسری نبی کی سنت یعنی حدیث۔'' (بہشتی زیور، ساتواں حصہ، ناشر ملک سراج الدین اینڈ سنز تاجران کتب، کشمیری بازار، لاہور ص27)

معزز قارئین کی خدمت میں سلف وخلف علماء کے کچھ اقوال ذکر کیے گئے ہیں جن سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کے ساتھ اس جیسی اور چیز بھی نازل کی تھی جس کو حکمت، سنت اور حدیث کہا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور اس کی اہمیت وضرورت حدیث ہی سے معلوم ہو گی جس دور میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی بن کر آئے تھے وہ جاہلیت، کفر وشرک کا دور تھا۔ پوری انسانیت گمراہی میں سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے تلوے تک پھنسی ہوئی تھی۔ دیکھئے سورۂ جمعہ (آیت:2) سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے سے لے کر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونے والے زمانے تک تقریباً چھ صدیوں کا عرصہ گذر چکا تھا۔ آپ کی دعوت اور قرآن وحدیث کی پیروی کے نتیجے میں جہالت، گمراہی اور بدعملی آہستہ آہستہ ختم ہونے لگی۔ ایسا وقت بھی آیا کہ قرآن وحدیث کا اتباع کرنے والی جماعت سے اللہ تعالیٰ نے راضی ہو کر یہ وحی اتاری:

﴿ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ﴾ ''اللہ ان سے راضی ہے اور یہ اللہ سے خوش ہیں۔''
(المجادلة : 22)

اس تمہید کے بعد عزیز اللہ بوہیو کی اس للکار کی طرف آتے ہیں جس میں اس نے سوال کیا کہ ''کیا قرآن حکیم اپنی تعبیر اور تشریح کے معاملہ میں دوسروں کا محتاج ہے؟'' اس جگہ پر ہم جذبات کے تیز بہاؤ میں بہنے کی بجائے نہایت سنجیدگی، متانت، بردباری اور اخلاق حسنہ کے دائرے میں رہتے ہوئے یہ کہیں گے کہ جی ہاں قرآن مجید، نبی کریم ﷺ کے بغیر سمجھ میں ہرگز نہیں آئے گا۔ شارح قرآن کی شرح کے سوا ہم قرآن مجید کے ایک حکم پر بھی عمل نہیں کر سکیں گے اور نہ عقیدہ ہی درست رکھ سکتے ہیں جو لوگ نبی کریم ﷺ کو شارح قرآن نہیں سمجھتے اور خود کو شارح سمجھتے ہیں ان سے قرآن مجید کے متعلق چند باتیں پوچھتے ہیں:

1: جو لوگ حدیث اور علم الحدیث کے منکر ہیں ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ ان کو کیسے اور کہاں سے معلوم ہوا کہ جو قرآن مجید محمد ﷺ پر نازل ہوا تھا یہ وہی قرآن ہے؟ انھیں کس نے بتایا کہ پہلی وحی غار حرا میں نازل ہوئی تھی؟ انھیں کس نے بتایا کہ پہلی وحی کے وقت آپ ﷺ کی عمر چالیس برس تھی؟ انھیں کہاں سے معلوم ہوا کہ جبرئیل علیہ السلام نے جب آپ سے کہا: ''اِقْرَأْ'' تو آپ نے فرمایا: ((مَا أَنَا بِقَارِئٍ)) اور انھوں نے کہاں سے معلوم کیا کہ پہلی وحی میں سورۂ علق کی پانچ آیتیں نازل ہوئی تھیں؟ انھیں کیسے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں مکی سورتیں بھی ہیں اور مدنی بھی؟ انھیں کس نے بتایا کہ سورۂ بقرہ کی آیت: 255 کا نام آیۃ الکرسی ہے؟ ان کو کس نے اطلاع دی کہ سورۂ حجر کی آیت: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ﴾ سے مراد ''سورۃ الفاتحہ'' ہے؟ انھیں کیسے پتہ لگا کہ سورۃ الاعراف، الرعد، النحل، بنی اسرائیل، مریم، الحج، الفرقان، النمل، الٓمٓ السجدۃ، صٓ، حٰمٓ السجدۃ، النجم اور العلق میں سجدہ تلاوت ہے اور سورۂ حج میں دو سجدے ہیں؟ انھیں کہاں سے خبر ملی کہ فلاں سورت کا نام سورۃ الفاتحہ ہے اور فلاں کا نام سورۂ بقرہ......وغیرہ ہے؟ انھیں کیسے پتہ لگا کہ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' ہر سورت کی پہلی اور مستقل آیت ہے، جبکہ سورۃ التوبۃ میں نہیں؟ انھیں کہاں سے خبر ملی کہ قرآن مجید میں 114 سورتیں ہیں اور ایسے لوگوں کو کس نے بتایا کہ ''سورۂ نصر'' سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت ہے؟

2: اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ﴾

''اللہ تعالیٰ نے تو تم پر صرف مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ چیز حرام کی ہے جس پر اللہ کے سوا کسی کا نام پکارا جائے۔'' (البقرة: 173)

اس آیت مبارکہ کو سامنے رکھتے ہوئے ہم منکرین حدیث سے سوال کرتے ہیں کہ مچھلی اور ٹڈی پر میتۃ کا حکم لگے گا یا نہیں؟ اسی طرح کلیجی اور تلی پر خون کا حکم نافذ کر کے کھانے سے گریز کریں گے یا نہیں؟

3: اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآىِٕكُمْ وَرَبَآىِٕبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۡ وَحَلَآىِٕلُ اَبْنَآىِٕكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ ﴾

حرام کی گئی ہیں تم پر تمھاری مائیں اور تمھاری بیٹیاں اور تمھاری بہنیں اور تمھاری پھوپھیاں اور تمھاری خالائیں اور تمھاری بھتیجیاں اور تمھاری بھانجیاں اور تمھاری وہ مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمھاری بیویوں کی مائیں اور تمھاری وہ سوتیلی بیٹیاں جو تمھارے پاس پرورش پائیں اور ان عورتوں کے بطن سے جن سے تم نے صحبت کی ہو، پس اگر تم نے صحبت نہ کی ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں اور تمہارے صلبی (سگے) بیٹوں کی بیویاں اور تمھارا دو بہنوں کو جمع کرنا (بھی حرام ہے) ہاں جو گزر گیا سو گزر گیا، یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور تمھارے لیے شادی شدہ عورتیں بھی حرام ہیں، سوائے ان لونڈیوں کے جن کے تم مالک ہو اللہ نے یہ احکام تم پر فرض کر دیے ہیں اور ان عورتوں کے سوا

اورعورتیں تمھارے لیے حلال کی گئی ہیں۔'' (النسآ:24-23)

قرآن مجید کی مذکورہ آیت مبارکہ میں پندرہ قسم کی عورتوں کو حرام کیا گیا ہے، جبکہ دیگر عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ جو لوگ حدیث مبارکہ کی شرعی حیثیت کے انکاری ہیں ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ کیا ایک شخص ایک ہی وقت میں دو ایسی عورتوں کو نکاح میں رکھ سکتا ہے جو آپس میں پھوپھی اور بھتیجی یا خالہ اور بھانجی ہوں؟

4: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾ ''مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ کی ہے، اس دن سے جب سے اس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا ہے، ان میں سے چار حرمت (وادب) کے ہیں۔'' (التوبۃ: 36)

جو لوگ حدیث مبارکہ کے نام سے چڑتے ہیں ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ بارہ مہینوں کے نام کیا ہیں اور ان میں سے حرمت وادب والے چار مہینے کون سے ہیں؟

5: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَ ظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ ''اور ان تین افراد پر بھی (مہربانی فرمائی) جنھیں (حکم الٰہی کے انتظار میں) چھوڑ دیا گیا تھا حتی کہ زمین فراخی کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی اور ان کی جانیں (بھی) ان پر تنگ ہوگئیں اور انھوں نے سمجھا کہ اللہ (کے غضب) سے خود اس کے سوا ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں، پھر اللہ نے ان پر مہربانی کی تاکہ وہ توبہ کریں، بلاشبہ اللہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔'' (التوبۃ:118)

مذکورہ آیت میں تین کا ذکر کیا گیا ہے جن کے معاملے کو پیچھے کیا گیا تھا، وہ ملائکہ تھے، جن تھے یا انسان، ان کے نام کیا تھے؟ ان سے کیا خطا واقع ہوئی تھی اور اس کا سبب کیا تھا؟

وہ کس موقع پر اور کس چیز سے پیچھے رہ گئے تھے؟ کس نے اور کب ان کے متعلق پوچھا؟ سننے والوں نے ان تینوں کے متعلق کیا جواب دیا تھا؟ ان پر یہ حالت کتنے دنوں تک رہی اور ان ایام میں ان پر کیا گزری؟ جب یہ آیت نازل ہوئی تو سب سے پہلے کس نے اس بات کی اطلاع دی، سب سے پہلے کس کو اطلاع دی گئی اور جس کو اطلاع دی گئی اس کا ردعمل کیا تھا؟

6: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ○ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا﴾

”داود اور سلیمان (کو یاد کیجیے) جب وہ کھیت کے معاملے میں فیصلہ کر رہے تھے کہ کچھ لوگوں کی بکریاں رات کو اس میں چارہ چگ گئی تھیں اور ان کے فیصلے میں ہم شاہد تھے، ہم نے اس کا صحیح فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا اور ہر ایک کو ہم نے حکم و علم عطا کیا۔“ (الانبیاء: 78,79)

جو لوگ حدیث مبارکہ کی تشریحی حیثیت کے منکر ہیں ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ داود علیہ السلام نے فریقین کے مابین کون سا فیصلہ کیا تھا؟ سلیمان علیہ السلام نے جب باپ کا فیصلہ سنا تو کہا: اگر فیصلہ کرتے وقت میں موجود ہوتا تو دوسرا فیصلہ کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو کون سا فیصلہ سمجھایا تھا؟

7: ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۙ○ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ○ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۭ○ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۙ○ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ○ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى﴾

”یقیناً اس نے اس کو ایک بار اور بھی دیکھا، سدرۃ المنتہیٰ کے پاس، اس کے قریب ہی جنۃ الماویٰ ہے، اس وقت بیری پر چھا رہا تھا جو کچھ چھا رہا تھا، نہ نگاہ بہکی اور نہ حد سے بڑھی، بلاشبہ اس نے اپنے رب کی بعض بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔“ (النجم: 13-18)

جن لوگوں کے دلوں میں حدیث کے ساتھ بغض و عداوت ہے، ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ کس نے کس کو دیکھا، خواب میں دیکھا یا اپنے سامنے یہاں تو دوسری مرتبہ دیکھنے کا

ذکر ہے، اُس نے اس کو پہلی مرتبہ کہاں اور کس حالت میں دیکھا تھا؟ سدرۃ المنتہیٰ اور جنت الماویٰ کیا اور کہاں ہیں، سدرۃ المنتہیٰ کو کس چیز نے ڈھانپا ہوا ہے؟ دیکھنے والے نے کون سی نشانیاں دیکھی تھیں؟

8: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ ج تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِکَ ط وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ قَدْ فَرَضَ اللّٰہُ لَکُمْ تَحِلَّۃَ اَیْمَانِکُمْ ج وَاللّٰہُ مَوْلٰکُمْ ج وَھُوَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ○ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا ج فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِہٖ وَاَظْھَرَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ عَرَّفَ بَعْضَہٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ج فَلَمَّا نَبَّاَھَا بِہٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَکَ ھٰذَا ط قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ﴾ ''اے نبی! جس چیز کو اللہ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے اس کو آپ کیوں حرام کرتے ہیں؟ (کیا) آپ اپنی بیویوں کی رضا مندی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ تحقیق اللہ نے تمھارے لیے تمھاری (ناجائز) قسموں کو کھول (توڑ) ڈالنا مقرر کیا ہے اور اللہ تمھارا کارساز ہے اور وہی (پورے) علم والا، حکمت والا ہے۔ اور جب نبی (ﷺ) نے اپنی بعض بیویوں سے پوشیدہ بات کہی تھی، پس جب اس نے اس بات کی خبر کر دی اور اللہ نے اپنے نبی کو اس پر آگاہ کر دیا تو نبی نے تھوڑی سی بات تو بتا دی اور باقی مخفی رکھی، پھر جب نبی نے اپنی اس بیوی کو یہ بات بتائی تو وہ کہنے لگی اس کی خبر آپ کو کس نے دی ہے؟ کہا: سب جاننے والے پوری خبر رکھنے والے اللہ نے مجھے یہ بتلایا ہے۔'' (التحریم:3-1)

حدیث کو فارس کی سازش کہنے والوں سے ہم پوچھتے ہیں کہ سیدنا محمد ﷺ نے کہاں، کب اور کون سی چیز اپنے اوپر حرام کی تھی؟ اس عمل کا سبب کیا تھا؟ آپ نے اپنی کون سی بیوی کو راضی کرنے کے لیے یہ کام کیا تھا؟ آپ نے کون سی خفیہ بات، کس بیوی کے ساتھ کی تھی؟ اس نے وہ خفیہ بات کس کو بتائی تھی؟ (جاری ہے)

☆......☆......☆

سیدنا آدم علیہ السلام کے خط کا قصہ

سلیمان الاشج جو کعب الاحبار کے ساتھی تھے انھوں نے کہا: ذوالقرنین ایک نیک بادشاہ تھا اور وہ زمین پر گھومتا رہتا تھا، ایک دن وہ چکر لگا رہا تھا کہ جبل ہند پر رک گیا تو خضر نے اسے کہا، جبکہ وہ اس کے بڑے جھنڈے والے تھے: تجھے کیا ہے اے بادشاہ! تو گھبرا کر ٹھہر گیا ہے؟ اس نے کہا: میں کیوں نہ گھبراؤں اور ٹھہروں! یہ بندوں کے قدموں اور ہاتھوں کے نشان ہیں اور یہ درخت ہیں کہ میں نے اپنے گھومنے کے دوران میں ان سے زیادہ لمبے درخت نہیں دیکھے کہ جن سے سرخ پانی بہتا ہو، ان کا کوئی اور ہی معاملہ ہے۔ اس (سلیمان) نے کہا: خضر نے ہر کتاب پڑھی ہوئی تھی، چنانچہ اس نے بادشاہ سے کہا: کیا تو بڑے درخت کے ساتھ لٹکا ہوا ورقہ دیکھتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں، اس (خضر) نے کہا: وہ تجھے اس مکان کے بارے میں خبر دے گا۔ اس (سلیمان) نے کہا: اس نے خط دیکھا تو اس میں لکھا ہوا تھا:

"بسم الله الرحمن الرحيم من آدم أبی البشر عليه السلام إلى ذريته أو صيكم ذريتي بنی و بناتي بتقوى الله و أحذركم كيد عدوي و عدوكم إبليس اللعين ......"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ابوالبشر آدم علیہ السلام کی طرف سے اس کی اولاد کی طرف، اے میری اولاد! میرے بیٹو اور بیٹیو! میں تمھیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور اپنے اور تمھارے دشمن ابلیس لعین کی چالوں سے ڈراتا ہوں جس کا کلام نرم اور خوبصورت ہے، اس کی خواہشات نے مجھے فردوس اعلیٰ سے زمین کی طرف اتارا۔ پس مجھے میری اس جگہ ڈال دیا گیا، پھر دو سال تک میری طرف التفات نہیں کیا گیا، میری اس ایک خطا کے سبب جسے میں نے کیا اور یہ میرے نشان ہیں اور یہ درخت میرے آنسوؤں سے اُگے ہیں اور اسی جگہ میری توبہ اتاری (قبول کی) گئی، لہٰذا تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو، اس سے پہلے کہ تم پچھتاؤ

اور آگے بڑھو قبل اس سے کہ تم آگے کیے جاؤ اور سبقت لے جاؤ اس سے پہلے کہ تم پر سبقت لی جائے۔ والسلام

انھوں (سلیمان) نے کہا: پس ذوالقرنین اترے اور سیدنا آدم علیہ السلام کے بیٹھنے کی جگہ کو چھوا جس کی مسافت ایک سو اسی میل تھی اور انھوں نے ان درختوں کو شمار کیا جو سیدنا آدم علیہ السلام کے آنسوؤں سے اُگے تھے تو ان کی تعداد سات سو تھی۔ انھوں نے کہا: جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو درخت سوکھ گئے اور ان سے سرخ پانی بہنے لگا تو ذوالقرنین نے خضر علیہ السلام سے کہا کہ ہمیں واپس لوٹا دے۔ اللہ کی قسم! میں کبھی بھی اس کے بعد دنیا کی طلب نہیں کروں گا۔

یہ واقعہ درج ذیل سند کے ساتھ امام ابن عساکر نے نقل کیا ہے:

۱: المقرئ نا أبو عبد الله أحمد بن محمد بن يوسف البزار، نا أبو محمد جعفر بن نصير الخلدی أخبرنا إبراهيم بن أحمد الخواص قال: قال سليمان الأشج صاحب كعب الأحبار: كان ذو القرنين...... إلخ (تاريخ دمشق 356/17)

۲: حافظ ابن حجر نے کہا: و يروي عن سليمان الأشج صاحب كعب الأحبار عن كعب الأحبار أن الخضر كان ...... إلخ (الاصابة 238/3)

۳: امام الحنائی نے کہا: أخبرنا أبو الحسن علي بن عبد القادر بن بُزيغ بن الحسن بن بزيغ الطرسوسی قراء ة عليه قال و حدثنا أبو حفص الصائغ عمر بن أحمد قال: ثنا أبو ذر قال قرأنا على أحمد بن سلمة الرازي حدثكم أبو عبد الله محمد بن عمر بن يزيد الرفاعي قال: ثنا عبدالكريم بن هارون الجرجاني قال: حدثنی أبي هارون عن أبيه عن سليمان الأشج و كان صاحب كعب الأحبار قال: ...... إلخ (فوائد الحنائي 1372/2)

یہ واقعہ امام الحنائی کی سند سے امام ابن عساکر نے بھی نقل کیا ہے۔ (418/7)

پہلی سند تاریخ دمشق والی دو وجہ سے ضعیف ہے:

ا: ابراہیم بن احمد الخواص مجہول ہے، اس کا ترجمہ تاریخ بغداد (463/6) المنتظم لابن جوزی (26/13) میں بغیر کسی جرح وتعدیل کے موجود ہے۔

۲: دوسرا راوی سلیمان الاشج مجہول ہے اس کے حالات مجھے کہیں نہیں ملے۔ واللہ اعلم

دوسری سند جو حافظ ابن حجر نے نقل کی وہ بھی سلیمان الاشج کی وجہ سے ضعیف ہے۔

تنبیہ: تاریخ دمشق میں یہ واقعہ سلیمان الاشج کا ہے، جبکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے سلیمان الاشج عن کعب الاحبار نقل کیا ہے، نیز تاریخ دمشق میں یہ واقعہ طویل ہے جبکہ الاصابہ میں مختصر ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ سلیمان الاشج عن کعب الاحبار ہے۔ واللہ اعلم

تیسری سند فوائد الحنائی والی کا پہلا راوی ابوالحسن علی بن عبدالقادر بن بزیغ بن الحسن ابن بزیغ الطرسوسی مجہول ہے اس کے حالات مجھے نہیں ملے۔

دوسرا راوی ابوحفص الصائغ عمر بن احمد بھی مجہول ہے اس کے حالات بھی نہیں ملے۔

تیسرا راوی ابوذر بھی مجہول ہے۔

چوتھا راوی احمد بن سلمہ الرازی بھی مجہول ہے اس کے حالات بھی نہیں ملے۔

پانچواں راوی ابوعبداللہ محمد بن عمر بن یزید الرفاعی کے حالات بھی نہیں ملے۔

چھٹا راوی عبدالکریم بن ہارون الجرجانی ہے، اس کے متعلق درج ذیل اقوال ہیں:

ا: امام ابن ابی حاتم نے کہا: "سألت أبي عنه فقال: كتبت عنه ولا أخبر أمره ومقدار ما كتبت عنه صحاح." ابن ابی حاتم نے کہا: میں نے اپنے والد سے اس کے متعلق پوچھا تو انھوں نے کہا: میں نے اس سے لکھا ہے، لیکن میں اس کے معاملے سے متعلق خبر نہیں رکھتا اور جو کچھ میں نے اس سے لکھا وہ صحیح ہے۔ (الجرح والتعدیل 62/6ت328)

۲: حافظ ذہبی نے اس کو میزان الاعتدال میں ذکر کر کے ازدی کی جرح نقل کی ہے۔ (3/ 540ت5184)

۳: ابن جوزی نے بھی اسے الضعفاء میں ذکر کر کے ازدی کی جرح نقل کی ہے۔

(117/2ت1980)

۴: حافظ ابن حجر نے اسے لسان المیز ان میں ذکر کر کے ازدی کی جرح نقل کی۔

(2/4 ت 148)

تنبیہ: ازدی خود ضعیف ہے، لہٰذا اس کی جرح کا کوئی اعتبار نہیں۔ پس یہ راوی بھی مجہول ہی ہے۔ واللہ اعلم

مذکورہ بحث سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ روایت ثابت نہیں ہے۔

و ما علینا إلا البلاغ

کتاب سے محبت کیجئے

مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ، محدث محب اللہ شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق لکھتے ہیں:
''کتابیں جمع کرنا ان کا خاندانی شوق ہے جو انہیں اور ان کے چھوٹے بھائی سید بدیع الدین شاہ راشدی کو ورثے میں ملا ہے۔ ان کے مورث اعلیٰ سید محمد راشد شاہ راشدی نے بہت سی کتابیں جمع کی تھیں، ان کے بعد ان کے ہر وارث نے کتابوں میں اضافہ کیا۔ اس وقت ان کے کتب خانے میں چالیس ہزار سے لے کر پچاس ہزار کتابیں محفوظ ہیں، جن میں بہت سی نایاب و نادر مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتابیں شامل ہیں۔ بقول سید محبّ اللہ شاہ کے، ان کے والد سید احسان اللہ شاہ شام، مصر، مدینہ منورہ، مکہ معظّمہ اور ہندوستان کے مختلف شہروں سے کثیر رقم خرچ کر کے کتابیں منگواتے تھے۔ اس وقت چھاپے خانے زیادہ نہ تھے اس لیے کتب خانوں میں کتابوں کی تعداد محدود تھی۔ سید احسان اللہ شاہ نے مختلف شہروں میں کتابوں کے ماہرین کے ذمے یہ فریضہ عائد کر رکھا تھا کہ وہ کتابیں نقل کر کے انہیں بھیجا کریں۔ اس کا وہ ان حضرات کو اس دور کے مطابق معقول معاوضہ دیتے تھے۔

(کاروان سلف، ص ۳۸۵، ۳۸۶)

ابو محمد نصیر احمد کاشف

شیخ الحدیث مولانا حافظ عبدالحمید ازہر رحمۃ اللہ علیہ
کچھ یادیں کچھ باتیں

نام ونسب: حافظ عبدالحمید ازہر بن حکیم فیض محمد بن حکیم مولا بخش۔

حکیم فیض محمد کا نام مولانا فیض محمد بوجیانی رحمہ اللہ کے نام پر رکھا گیا تھا۔

آپ کی پیدائش قیام پاکستان کے سوا سال بعد، یعنی 10 دسمبر 1948 کو قصور کے علاقے میں ہوئی۔

خاندانی پس منظر: قیام پاکستان سے قبل آپ کے دادا حکیم مولا بخش گاؤں سرسنگھ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کی نیک نامی علاقے بھر میں معروف تھی اور وہاں کے لوگوں میں احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

امرتسر کے بھوجیان گاؤں کے علمائے کرام سے متاثر اوران کے عقیدت مند تھے اور یہ تعلق حافظ عبدالحمید ازہر رحمۃ اللہ علیہ کی حیات مستعار کے آخر تک برقرار رہا۔ حافظ عبدالحمید ازہر رحمۃ اللہ علیہ مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی تعلق رکھتے تھے اور آپ سے ملاقات کے لیے گاہے بگاہے لاہور تشریف لے جاتے اور آپ کا تذکرہ نہایت احترام سے کرتے تھے۔ تقسیم برصغیر پاک و ہند کے وقت آپ کا خاندان قصور کے علاقے کوٹ اعظم خان منتقل ہوگیا اور تا حال وہیں قیام پذیر ہے۔

حافظ عبدالحمید ازہر رحمۃ اللہ علیہ کا ننھیال تقسیم برصغیر پاک و ہند سے پہلے ضلع لاہور کے گاؤں ''بلیئر'' میں سکونت پذیر تھا۔ سکھوں کی شرانگیزیوں سے بچنے کے لیے ''یٹی'' گاؤں آگئے۔ غیر منصفانہ تقسیم کے نتیجے میں یہ علاقہ ہندوستان میں شامل ہوگیا ہے۔

تعلیمی دور: چھوٹی عمر میں ابتدائی تعلیم مقامی گورنمنٹ سکول میں حاصل کی۔ حفظ قرآن جامع مسجد فریدیہ میں قاری اظہار تھانوی کے شاگرد قاری نور احمد کھرل سے کیا اور

تجوید میں بھی مہارت حاصل کی۔ آپ نے 1965ء میں میٹرک کا امتحان دیا، بعدازں مولانا محمد اسحاق گوہڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے مشورے سے آپ کے ماموں مولانا عبدالعظیم انصار نے آپ کو لاہور میں دارالحدیث چینیاں والی مسجد میں داخل کروا دیا۔

وہاں سے آپ جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں داخل ہو گئے۔

1972ء میں جب جامعہ سلفیہ کا جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے الحاق ہوا تو آپ کو اور حافظ مسعود عالم حفظہ اللہ کو امتحان میں نمایاں پوزیشن لینے کی وجہ سے جامعہ اسلامیہ میں داخلہ ملا۔ 1977ء میں لیسانس (بی اے آنرز) کی سند حاصل کی۔

اساتذہ کرام: حافظ عبدالحمید ازہر رحمۃ اللہ علیہ کے چند مشہور اساتذہ کرام کے نام درج ذیل ہیں:

۱: مولانا محمد اسحاق رحمانی رحمۃ اللہ علیہ (چینیاں والی مسجد، لاہور)
۲: مولانا عبدالخالق قدوسی رحمۃ اللہ علیہ (ایضاً)
۳: مولانا عبدالحمید ہزاروی حفظہ اللہ (جامعہ محمدیہ، گوجرانوالہ)
۴: حافظ عبداللہ بڈھیمالوی رحمۃ اللہ علیہ (جامعہ سلفیہ، فیصل آباد)
۵: مولانا ثناء اللہ ہوشیارپوری رحمۃ اللہ علیہ (ایضاً)
۶: مولانا علی محمد سلفی رحمۃ اللہ علیہ (ایضاً)
۷: شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمۃ اللہ علیہ (جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ)
۸: شیخ محمد امین الشنقیطی رحمۃ اللہ علیہ (ایضاً)
۹: شیخ حماد انصاری رحمۃ اللہ علیہ (ایضاً)
۱۰: شیخ تقی الدین ہلالی رحمۃ اللہ علیہ (ایضاً)
۱۱: مولانا عبدالغفار حسن رحمۃ اللہ علیہ (ایضاً)
۱۲: شیخ ابوبکر جابر الجزائری حفظہ اللہ (ایضاً)
۱۳: شیخ عبدالمحسن العباد حفظہ اللہ (ایضاً)

تدریسی خدمات اور آپ کے بعض ہونہار شاگرد

حافظ عبدالحمید ازہر رحمۃ اللہ علیہ جامعہ اسلامیہ سے فراغت کے بعد 1980ء سے 1989ء تک جامع مسجد روڈ راولپنڈی میں قائم مدرسہ تدریس القرآن والحدیث میں استاد مبعوث ہوئے۔ جب جامعہ سلفیہ اسلام آباد میں یہ مدرسہ ضم ہوا تو وہاں بھی تدریس کرتے رہے۔ آپ آخری چند سال جامعہ سلفیہ میں بطور شیخ الحدیث طلباء کو صحیح بخاری کا درس دیتے رہے جو وفات تک جاری رہا۔

تلامذہ کرام: حافظ عبدالحمید ازہر رحمۃ اللہ علیہ سے بلاشبہ سینکڑوں طلبا نے استفادہ کیا۔ چند مشہور شاگردوں کے نام یہ ہیں: محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد یونس عاصم رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد رفیق اختر کاشمیری، ڈاکٹر عبدالغفار بخاری (اسلام آباد)، مولانا عصمت اللہ (مظفر آبادی)، مولانا عبدالوحید (گوجرانوالہ) اور مولانا حفیظ الرحمٰن (اسلام آباد)

حافظ عبدالحمید ازہر رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردان رشید اپنی بساط کے مطابق دین حنیف کی نشر و اشاعت میں مصروف ہیں۔

آپ کے شاگردوں میں محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ ایسا روشن ستارہ ہے کہ اگر ان کے علاوہ آپ کا کوئی دوسرا شاگرد نہ بھی ہوتا تو آپ کی عظمت وجلالت کے لیے کافی تھا۔

حافظ عبد الحمید ازہر رحمۃ اللہ علیہ کا محدث العصر سے تعلق مثالی تھا۔ دونوں کے دل ایک دوسرے کے لیے دھڑکتے تھے۔ محدث العصر رحمۃ اللہ علیہ ہر اہم معاملے میں مشورے کے لیے جن اساتذہ سے رجوع کرتے آپ ان میں سرفہرست تھے۔ محدث العصر رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتب نظر ثانی، مقدمہ اور تقریظ کے لیے آپ کی خدمت میں پیش کرتے اور آپ بخوشی اسے قبول فرماتے۔

محدث العصر رحمۃ اللہ علیہ جب احقاق حق وابطال باطل اور دینی حمیت کے تحت بعض غیر معروف لوگوں کا بھی جواب لکھتے تو اس پر حافظ عبدالحمید ازہر رحمۃ اللہ علیہ ان احباب پر بہت تعجب کرتے جو شیخ محترم رحمۃ اللہ علیہ کو اس طرح کے جوابات لکھنے میں الجھا دیتے اور انھیں مجبور

کرتے تھے۔اس پر آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کسی قابل انجینئر کو بڑے پراجیکٹ سے ہٹا کر کسی معمولی کام پر لگا دیا جائے۔آپ اکثر فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں جو صلاحیت اور وقت ودیعت فرمایا ہے تو ان سے بڑے اور مستقل کام ہی لینے چاہئیں۔ محدث العصر رحمۃ اللہ علیہ کے لیے آپ کی باتیں رہنما اصول قرار پاتی تھیں۔استاد شاگرد کا یہ تعلق محدث العصر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات تک قائم اور مضبوط رہا کیونکہ محدث العصر رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ حافظ عبدالحمید ازہر رحمۃ اللہ علیہ ہی نے پڑھایا تھا۔

تبلیغی خدمات: جامع مسجد محمدی ایمن آباد اصغر مال روڈ میں 1981ء سے خطابت کی ذمہ داری بخوبی انجام دے رہے تھے۔شروع میں مسجد چھوٹی تھی قریبی مکانات خرید کر مقامی جماعت نے مسجد کی توسیع کر کے اسے تین چار گنا بڑا کر دیا ہے۔

آپ کا خطاب قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ کے ساتھ ساتھ اقوال واحوالِ سلف سے مزین ہوتا تھا۔اس میں لایعنی قصے کہانیاں اور لغوبات قطعاً نہ ہوتی، لہٰذا جو آپ کا خطبہ ایک بار سن لیتا تو وہ وہیں کا ہو کر رہ جاتا۔

جمعہ کے دن کی چھٹی ختم ہونے کے باوجود بہت سے لوگ راولپنڈی کے اطراف سے سفر کی طوالت اور سڑکوں کی بھیڑ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے خطبہ سننے کے لیے حاضر ہوتے۔

آغاز خطبہ سے قبل ہی مسجد کا ایک ہال تقریباً بھر جاتا تھا۔خواتین کی بھی کثیر تعداد جمعہ وعیدین میں حاضر ہوتی تھی۔آپ کا خطبہ سنت کے مطابق ہوتا تھا کہ ''يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَ يُذَكِّرُ النَّاسَ'' (صحيح مسلم:862)

قرآن کی تلاوت اور لوگوں کو نصیحت سے بھرپور ہوتا تھا، انداز خطابت: ''اِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ وَعَلَا صَوتُهُ وَاشْتَدَّ غَضَبُهُ حَتّٰى كَأَنَّهُ مُنْذِرُ جَيْشٍ''

(صحيح مسلم: 867)

لوگوں کو حکمت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے عذاب سے ڈرانا ہوتا تھا۔

آپ نے خطبے میں کبھی کوئی لطیفہ نہیں سنایا اور آپ دوران خطبہ میں ایک انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔ آپ کے ہر خطبے کا آغاز اللہ کے تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت سے ہوتا تھا۔

ماہ رمضان کے خطبات خصوصی ہوتے جو عموماً ارکان سلام پر مشتمل ہوتے تھے۔ روزانہ نماز عشاء کے بعد آپ مسجد میں قرآن کریم کا ترجمہ وتفسیر پڑھایا کرتے تھے۔

رمضان المبارک میں آپ نماز فجر کے بعد ایک سورت منتخب کر کے پورا ماہ اسی کی تفسیر بیان کرتے تھے۔

تصنیفی خدمات: حافظ عبد الحمید ازہر رحمۃ اللہ علیہ کا اکثر وقت تدریس و تذکیر میں گزرتا اور آپ تصنیفی کام کے لیے بہت کم وقت نکال پاتے۔ اس کے باوجود آپ کے کئی کتابچے منظر عام پر آچکے ہیں جو کہ ادب کا شاہکار ہیں۔

آپ کی تحریریں ادب کی چاشنی سے لبریز ہوتی تھی اور تقریر کی طرح آپ کی تحریر بھی پرتاثیر تھی۔ چند ایک تصانیف درج ذیل ہیں:

۱: حضور نماز ۲: اہل حدیث کا تعارف ۳: عذاب قبر

۴: پیغام حرم (ترجمانی) ۵: نابغۂ عصر ۶: مختصر صحیح بخاری پر کام زیر تکمیل تھا

تحریک المجاہدین کے زیر اہتمام ماہنامہ ''شہادت'' میں آپ ''شہدائے عہد نبوی'' کے موضوع پر مضامین لکھتے رہے۔ راولپنڈی سے شائع ہونے والے رسالے ''الآثار'' اور ''نوائے شبان'' ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور، ماہنامہ ''الحدیث حضرو'' اور دیگر کئی رسائل و جرائد کے لیے آپ مضامین لکھتے رہے۔

عادات وخصائل: مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں آپ کا تعارف درج کچھ یوں کراتے ہیں:

''میانہ قد، گندمی رنگت میں سُرخی کی جھلک، ناک نقشہ خوب صورت، صاف گو، علم اور حلم کا دل پذیر مجموعہ، مزاج میں اعتدال، اچھے خطیب اور اچھے مدرس، طبیعت میں صالحین اور

حسنات کا غلبہ، لمبی داڑھی، عمدہ خصال اور خوش گفتار، شلوار قمیص عام پہناوا''

(چمنستان حدیث)

اس پر یہ اضافہ بھی کر لیں: نورانی چہرہ، ہمہ وقتی مسکراہٹ، ہر ایک کے خیر خواہ اور برموقع باوقار مزاح کے حامل جو نصیحت سے خالی نہ ہوتا۔

مدرسہ تدریس القرآن والحدیث میں تدریس کے دوران میں مشہور عالم دین، مولانا محمد اسماعیل ذبیح رحمۃ اللہ علیہ سے تعارف ہوا جو بعد ازاں مصاہرت میں تبدیل ہو گیا۔ مولانا ذبیح رحمۃ اللہ علیہ آپ کے سسر ہیں۔ ان کی وفات کے بعد ان کا مکتبہ بھی آپ کے حصے میں آیا۔

وفات: گزشتہ سال 2014 کے آغاز میں حافظ عبدالحمید ازہر رحمہ اللہ کو ہارٹ اٹیک ہوا۔ بعد میں دل کا بائی پاس کرایا گیا، لیکن طبیعت کمزور سے کمزور تر ہوتی رہی۔ آخری بار آپ نومبر کے آغاز میں بیمار ہوئے اور ہولی فیملی ہسپتال راولپنڈی کے انتہائی نگہداشت وارڈ میں زیر علاج رہے۔ دو ہفتے بعد بھی طبیعت نہ سنبھلی اور بالآخر وہ وقت مقرر آ پہنچا جس کا ہر مومن منتظر و مشتاق ہوتا ہے کہ اس کے بعد رب تعالیٰ کی نعمتوں اور رحمتوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ ﴿يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ○ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ○ وَادْخُلِي جَنَّتِي﴾ (الفجر ۹۸: ۷۲۔۳۰)

14 نومبر 2015ء کو بوقت صبح آپ کی وفات ہوئی اور رات 8 بجے جنازے کا وقت مقرر ہوا جو کہ احباب کی مسلسل آمد کی وجہ سے 45 منٹ دیر سے ادا کیا گیا۔ آپ کا جنازہ وصیت کے مطابق آپ کے دیرینہ دوست مولانا حافظ مسعود عالم حفظہ اللہ نے پڑھایا۔

جنازے میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحمید ہزاروی، مولانا عبدالعزیز نورستانی، مولانا محمد یٰسین ظفر، مولانا محمد یونس بٹ، شیخ الحدیث مولانا عبدالعزیز علوی، مولانا عبدالحمید عامر جہلمی، مولانا ابراہیم خلیل فضلی، مدیر مکتب الدعوۃ شیخ محمد بن سعد الدوسری، حافظ حماد شاکر حفظہم اللہ تعالیٰ اور دیگر علمائے کرام وطلباء کی کثیر تعداد شریک تھی۔

بعد ازاں تقریباً رات گیارہ بجے قریبی عیدگاہ قبرستان میں آپ کی تدفین ہوئی۔

اللهم اغفرله وارحمه و عافه واعف عنه و اکرم نزله ووسع مدخله……

اولاد: حافظ عبدالحمید ازہر رحمۃ اللہ علیہ کی بیٹیاں ہیں نرینہ اولاد نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ حافظ صاحب کے درجات بلند کرے۔ان کی خطاؤں سے درگزر کرے۔ اوران کے لواحقین کو صبر دے۔آمین۔

اعمال سنواریں باکردار بنیں

☆ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کا خادم کھانا لے کر اس کے پاس آئے تو اسے چاہیے کہ وہ خادم کو بھی اپنے ساتھ (کھانے کے لیے) بٹھالے یا اس میں سے کچھ (کھانا) اسے بھی دے دے، کیونکہ اس نے (کھانے کی تیاری میں) گرمی اور دھواں برداشت کیا ہے۔''

(صحیح،ابن ماجہ:۳۲۹۱)

☆ اوسط بن اسماعیل البجلی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ فرمارہے تھے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پچھلے سال اسی جگہ کھڑے تھے جہاں میں کھڑا ہوں، پھر آپ رو پڑے اور کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سچائی کو اختیار کرو، سچائی نیکی کے ساتھ ہے، اور ان دونوں کو اختیار کرنے والے لوگ جنت میں ہوں گے۔اور جھوٹ سے اجتناب کرو، جھوٹ گناہ کے ساتھ ہے، اور ان دونوں کو اختیار کرنے والوں کا انجام جہنم ہے۔تم اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگا کرو، کیونکہ کسی کو یقین (وایمان) کے بعد عافیت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں مل سکتی۔ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، آپس میں بغض نہ رکھو، قطع رحمی نہ کرو، ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو، اور اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو۔'' (صحیح،ابن ماجہ:۳۸۴۹)

حافظ سعید الرحمٰن

یہ زلزلے......اور لمحہ فکریہ

الحمد للّٰه رب العالمين والصلوٰة والسلام علىٰ رسوله الأمين، أما بعد:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُواْ رَبَّكُمْۚ إِنَّ زَلْزَلَةَ ٱلسَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ○ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى ٱلنَّاسَ سُكَٰرَىٰ وَمَا هُم بِسُكَٰرَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ ٱللَّهِ شَدِيدٌ﴾ (الحج:2-1)

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، بے شک قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے۔ جس دن تم دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی اس سے غافل ہو جائے گی جسے اس نے دودھ پلایا تھا اور ہر حمل والی اپنا حمل گرا دے گی اور تو لوگوں کو نشے میں دیکھے گا، حالانکہ وہ ہرگز نشے میں نہیں ہوں گے اور لیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔''

﴿زَلْزَلَةَ ٱلسَّاعَةِ﴾ قیامت کا زلزلہ انتہائی شدید اور ہلا کے رکھ دینے والا ہوگا، اس کے اثرات اس کی شدت کو بالکل واضح کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے خود اس زلزلے کو: ﴿شَيْءٌ عَظِيمٌ﴾ قرار دیا ہے۔

زلزلے کی شدت اور خوف کی وجہ سے دودھ پلانے والیاں اپنے بچوں کو دودھ پلانے سے رک جائیں گی اور حمل والیاں اپنا حمل گرا دیں گی یعنی محفوظ ترین جگہ بھی غیر محفوظ ہو جائے گی۔ لوگوں پر مدہوشی کے اثرات ہوں گے، لیکن درحقیقت وہ اللہ کے عذاب میں گرفتار ہوں گے: ﴿وَلَٰكِنَّ عَذَابَ ٱللَّهِ شَدِيدٌ﴾ کے الفاظ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ زلزلہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔

سیدنا ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری یہ، امت مرحومہ (رحم کی گئی) ہے، اسے آخرت میں (ابدی) عذاب سے دوچار نہیں کیا جائے گا (کیونکہ) اس کا عذاب دنیا میں فتنوں، زلزلوں اور قتل کی صورت میں ہوگا۔''

(سنن أبي داود: 4278، وإسناده حسن)

(آخرت میں اس امت کے ایمان والوں کے لیے ابدی (ہمیشہ کا) عذاب نہیں ہے، ان کے لیے دنیا میں پیش آنے والی انفرادی واجتماعی آزمائشیں آخرت کے عذاب سے کفارہ بن جائیں گی۔ (ان شاء اللہ)

زلزلہ اور رب العالمین کا خوف

سورۂ حج کی پہلی دو آیات میں زلزلے کی شدت و ہولنا کی کا ذکر ہوا ہے اور سورت کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے ڈرنے کا حکم دیا ہے۔

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ﴾ ''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو۔''

گویا زلزلے انسانوں کے دلوں میں خوف الٰہی پیدا کرنے کے لیے بھی آتے ہیں کیونکہ خوف الٰہی وہ عظیم جوہر ہے جو گناہوں سے بچنے اور نیکی کا عملی جذبہ پیدا کرنے کا بہت ہی مؤثر ذریعہ ہے۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے سورج گرہن کے موقع پر خطبہ ارشاد فرمایا:

((إِنَّ الشَّمْسَ وَالقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ، لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، وَلَكِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يُخَوِّفُ بِهَا عِبَادَهُ)) (صحيح البخاري:1048)

''سورج اور چاند دونوں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں اور کسی کی موت وحیات سے ان میں گرہن نہیں لگتا، لیکن اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔''

ایک اور حدیث کے مطابق آپ ﷺ نے لوگوں کو اس موقع پر اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی نصیحت فرمائی، عذاب الٰہی کا خوف، گناہوں کا ڈر، صدقہ، دعا، نماز، تکبیر وغیرہ کا شوق اور توجہ بھی دلائی۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ''...... فَخَطَبَ النَّاسَ، فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: **((إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ، وَإِنَّهُمَا لَا يَنْخَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ، وَلَا لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمَا فَكَبِّرُوا، وَادْعُوا اللَّهَ وَصَلُّوا وَتَصَدَّقُوا، يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ! إِنْ مِنْ أَحَدٍ أَغْيَرَ مِنَ اللَّهِ أَنْ يَزْنِيَ عَبْدُهُ، أَوْ تَزْنِيَ أَمَتُهُ، يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ! وَاللَّهِ! لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا، وَلَضَحِكْتُمْ**

قَلِيلًا، أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟))......إلخ'' (صحيح مسلم:901[2079])

......پھر لوگوں کو خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور فرمایا: ''سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں اور ان میں گرہن کسی کی موت وحیات کی وجہ سے نہیں لگتا ہے جب تم ان میں گرہن دیکھو تو اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو، اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اور نماز پڑھو اور صدقہ دو۔ اے امت محمد (ﷺ)! اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی غیرت والا نہیں۔ اس بات میں اس کا بندہ یا بندی زنا کرے، اے امت محمد (ﷺ)! اللہ کی قسم! جو مَیں جانتا ہوں اگر تم جانتے ہوتے تو بہت زیادہ روتے اور تھوڑا ہنستے۔ آگاہ رہو! میں نے اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچا دیا ہے۔''

سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے:((فَإِذَا رَأَيْتُمْ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ، فَافْزَعُوا إِلَى ذِكْرِهِ وَدُعَائِهِ وَاسْتِغْفَارِهِ.)) (صحيح البخاري:1059)

''جب تم ایسی صورت حال دیکھو تو ذکر الٰہی، دعا اور استغفار کرنے میں جلدی کرو۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"وَاسْتُدِلَّ بِذَلِكَ عَلَى أَنَّ الْأَمْرَ بِالْمُبَادَرَةِ إِلَى الذِّكْرِ وَالدُّعَاءِ وَالِاسْتِغْفَارِ وَغَيْرِ ذَلِكَ لَا يَخْتَصُّ بِالْكُسُوفَيْنِ لِأَنَّ الْآيَاتِ أَعَمُّ مِنْ ذَلِكَ"(فتح الباري 705/2)

اس (حدیث) سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ ایسے مواقع پر ذکر الٰہی، دعا واستغفار کا اہتمام کرنا چاہیے، کیونکہ آیات صرف چاند وسورج کے گرہن کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ یہ اس سے زیادہ عام ہیں۔

یعنی گرہن کا موقع ہو یا قحط کا، طوفان وآندھی ہو، سیلاب کا ریلا ہو یا زلزلے کا موقع ان سب میں رب العالمین سے رجوع کرنا چاہیے، ذکر الٰہی کے ساتھ، دعا کے ساتھ، صدقہ وخیرات کے ساتھ، نماز کے ساتھ، استغفار کے ساتھ، کیونکہ یہ اعمال صالحہ صرف اس موقع کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں۔

قرآن وحدیث کے ان واضح دلائل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مصائب وآلام زلزلے یا گرہن یہ سب بندوں کے دل میں خوفِ الٰہی پیدا کرنے کے لیے بطور تنبیہ آتے

ہیں تا کہ لوگ رب العالمین سے ڈر کر گناہوں سے بچیں اور نیکی کے کام بھی کریں۔

آپ ﷺ نے گرہن کے موقع پر جہاں گناہوں سے ڈرایا ہے، خوف الٰہی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے وہاں نیکیاں کرنے کی طرف توجہ بھی دلائی ہے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"قَوْلُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا رَأَيْتُمُوهَا فَكَبِّرُوا وَادْعُوا اللّٰهَ وَصَلُّوا وَتَصَدَّقُوا، فِيهِ الْحَثُّ عَلَى هَذِهِ الطَّاعَاتِ وَهُوَ أَمْرُ اسْتِحْبَابٍ قَوْلُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ! إِنْ مِنْ أَحَدٍ أَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ تَعَالَى هُوَ بِكَسْرِ هَمْزَةِ إِنْ وَإِسْكَانِ النُّونِ أَيْ مَا مِنْ أَحَدٍ أَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ قَالُوا مَعْنَاهُ ليس أحدا مَنَعَ مِنَ الْمَعَاصِي مِنَ اللّٰهِ تَعَالَى وَلَا أَشَدَّ كَرَاهَةً لَهَا مِنْهُ سُبْحَانَهُ قَوْلُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا وَلَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا مَعْنَاهُ لَوْ تَعْلَمُونَ مِنْ عِظَمِ انْتِقَامِ اللّٰهِ تَعَالَى مِنْ أَهْلِ الْجَرَائِمِ وَشِدَّةِ عِقَابِهِ وَأَهْوَالِ الْقِيَامَةِ وَمَا بَعْدَهَا" (شرح النووي على مسلم: 218/4)

تو زلزلے بھی تنبیہ اور وارننگ کے لیے آتے ہیں کہ گناہوں سے بچ جاؤ اور نیک کاموں میں جو غفلت اور کوتاہی ہے اس غفلت سے یہ جگانے آتے ہیں کہ نیکیوں میں غفلت کرنے والو! نیک کام کرکے رب العالمین کو راضی کرلو۔

﴿اتَّقُوا رَبَّكُمْ﴾ تقویٰ کا معنی بچنا بھی ہے اور ڈرنا بھی، کیونکہ آدمی جس سے ڈرتا ہے اُس سے بچتا ہے۔ یعنی ہر اس چیز سے بچو جو تمھیں اس کی سزا کا حقدار بنا سکتی ہے، خواہ وہ اس کے فرائض کا ترک (چھوڑنا) ہو یا اس کے حرام کردہ کاموں کا ارتکاب ہو، ان دونوں سے ہی بچنا اس کا تقویٰ ہے، اس کا ڈر ہے جس ڈر کا حکم زلزلے کے تذکرے کے ساتھ دیا ہے۔

لہٰذا ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ گناہوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے اور فرائض کو چھوڑنے اور نیک کام میں غفلت اور سستی کی وجہ سے رب العالمین سے جو ہمارا تعلق کمزور ہو گیا ہے اس کو مضبوط کیا جائے۔ یہ زلزلے، سیلاب وغیرہ گائے بگاہے یہی بھولا ہوا سبق یاد کروانے آتے ہیں: ﴿فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ﴾

حبیب الرحمٰن ہزاروی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور جذبۂ اتباع

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (4/ النسآء: 65)

''پس تیرے رب کی قسم! وہ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ وہ آپ کو حاکم مانیں جس چیز میں اُن کے درمیان اختلاف ہو جائے، پھر اپنے دلوں میں اس سے کوئی تنگی محسوس نہ کریں جو آپ نے فیصلہ کیا اور وہ تسلیم کرلیں پوری طرح تسلیم کرنا۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر مومن کے تین وصف بیان کیے ہیں:

۱: کسی بھی اختلاف کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کے پاس فیصلے کے لیے نہ جایا جائے۔

۲: آپ جو فیصلہ فرمادیں اُس پر دل میں کسی بھی قسم کی تنگی محسوس نہ کریں۔

۳: اس فیصلے کو تسلیم کرتے ہوئے اس پر عمل پیرا ہوا جائے۔

اس مختصر سے مضمون میں تیسرا وصف بیان کرنا ہی ہمارا مقصود ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کیا ہوا تھا۔ وہ جب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات بھی سنتے تو فوراً اسے تسلیم کرتے ہوئے اس پر عمل پیرا ہو جاتے۔

ع مصور کھینچ وہ نقشہ جس میں یہ صفائی ہو
ادھر فرمانِ مصطفیٰ ہو ادھر گردن جھکائی ہو

کتب احادیث میں موجود بے شمار ایسی مثالوں میں سے چند ہدیۂ قارئین ہیں:

۱) سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ((إِنَّ اللّٰهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ)) قَالَ عُمَرُ: فَوَاللّٰهِ! مَا حَلَفْتُ بِهَا مُنْذُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ،

ذَاكِرًا وَلاَ آثِرًا. (صحيح البخاري :6647، صحيح مسلم: 1646)

''اللہ تعالیٰ تمھیں اس بات سے منع فرماتا ہے کہ تم اپنے آباء واجداد کی قسمیں کھاؤ۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (یہ بات) سنی ہے تو میں نے کبھی (آباء واجداد) کی قسم نہیں کھائی، نہ تو اپنی بات کرتے ہوئے اور نہ کسی دوسرے کی بات کو نقل کرتے ہوئے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا کہ ایک ہی دفعہ اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سنی، پھر ساری زندگی اس پر عامل رہے اور جس چیز سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں منع کیا تو آپ ساری زندگی اس کے قریب بھی نہیں گئے۔

۲) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ نُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ إِذْ قَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: اللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيرًا، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ:((**مَنِ الْقَائِلُ كَلِمَةَ كَذَا وَكَذَا؟**)) قَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: أَنَا، يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ: ((**عَجِبْتُ لَهَا، فُتِحَتْ لَهَا أَبْوَابُ السَّمَاءِ**)) قَالَ ابْنُ عُمَرَ: فَمَا تَرَكْتُهُنَّ مُنْذُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ ذٰلِكَ. (صحيح مسلم: 601)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ لوگوں میں سے ایک آدمی نے کہا: '' اللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيرًا، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ کلمات کس نے کہے ہیں؟'' اُس آدمی نے کہا: میں نے، اے اللہ رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے اس کے لیے تعجب ہوا کہ ان (کلمات) کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے گئے۔'' سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب سے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان (کلمات کی فضیلت) کے بارے میں سنا ہے تو میں نے انھیں کبھی ترک نہیں کیا۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بڑے ہی متبع سنت صحابی تھے۔ جب انھوں نے نبی کریم ﷺ کی حدیث سنی تو فوراً عمل پیرا ہو گئے، پھر کبھی اس سے انحراف بھی نہیں کیا۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((**مَا حَقُّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ، لَهُ شَيْءٌ يُوصِي فِيهِ، يَبِيتُ ثَلَاثَ لَيَالٍ، إِلَّا وَوَصِيَّتُهُ عِنْدَهُ مَكْتُوبَةٌ**))، قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: مَا مَرَّتْ عَلَيَّ لَيْلَةٌ مُنْذُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ ذَلِكَ إِلَّا وَعِنْدِي وَصِيَّتِي. (صحیح مسلم: 1627)

''کسی مسلمان کو یہ لائق نہیں کہ اس کے پاس وصیت کی کوئی چیز موجود ہو اور وہ تین راتیں گزارے مگر اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی ہونی چاہیے۔'' سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب سے میں نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے، اس دن سے میری ایک رات بھی ایسی نہیں گزری کہ میرے پاس میری وصیت نہ ہو۔

۳) سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ

طَلْحَةُ بْنُ نَافِعٍ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، يَقُولُ: أَخَذَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِيَدِي ذَاتَ يَوْمٍ إِلَى مَنْزِلِهِ، فَأَخْرَجَ إِلَيْهِ فِلَقًا مِنْ خُبْزٍ، فَقَالَ:((**مَا مِنْ أُدُمٍ؟**)) فَقَالُوا: لَا إِلَّا شَيْءٌ مِنْ خَلٍّ، قَالَ: ((**فَإِنَّ الْخَلَّ نِعْمَ الْأُدُمُ**))، قَالَ جَابِرٌ: فَمَا زِلْتُ أُحِبُّ الْخَلَّ مُنْذُ سَمِعْتُهَا مِنْ نَبِيِّ اللّٰهِ ﷺ، وَقَالَ طَلْحَةُ: مَا زِلْتُ أُحِبُّ الْخَلَّ مُنْذُ سَمِعْتُهَا مِنْ جَابِرٍ. (صحیح مسلم: 2052)

طلحہ بن نافع رحمہ اللہ نے سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے میرے ہاتھ کو پکڑا اور اپنے گھر کی طرف لے گئے، پھر آپ کے پاس روٹی کے چند ٹکڑے لائے گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا کوئی سالن ہے؟'' انھوں (گھر والوں) نے کہا: نہیں سرکہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً سرکہ بہترین سالن ہے۔''

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے سرکے سے متعلق

رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، اس وقت سے میں سرکے کو بہت زیادہ پسند کرتا ہوں۔ طلحہ بن نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب سے میں نے سرکے کے بارے میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے، تب سے میں (بھی) سرکے کو بہت زیادہ پسند کرتا ہوں۔

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے سرکے کو بہترین سالن قرار دیا ہے، چنانچہ جب سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے سنا تو آپ ﷺ کی حدیث کی وجہ سے آپ نے سرکے کے ساتھ محبت اور سرکے کو پسند کرلیا اور اسی طرح سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے جب اس حدیث کو طلحہ بن نافع رحمۃ اللہ علیہ نے سنا تو انھوں نے بھی حدیث کی محبت ہی کی وجہ سے سرکے کو پسند کرلیا۔

ایسا جذبہ صحابہ وتابعین میں تھا کہ جب وہ نبی کریم ﷺ کی احادیث کو سنتے تو فوراً ان احادیث کے سامنے سرِتسلیم خم ہوجایا کرتے تھے۔

٤) سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ، قَالَ: جَاءَ نَاسٌ مِنَ الْأَعْرَابِ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ، فَقَالُوا: إِنَّ نَاسًا مِنَ الْمُصَدِّقِينَ يَأْتُونَنَا فَيَظْلِمُونَنَا ، قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((**أَرْضُوا مُصَدِّقِيكُمْ**)) قَالَ جَرِيرٌ: مَا صَدَرَ عَنِّي مُصَدِّقٌ ، مُنْذُ سَمِعْتُ هَذَا مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ، إِلَّا وَهُوَ عَنِّي رَاضٍ . (صحیح مسلم: 989)

سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس چند اعرابی (دیہاتی) آئے اور کہنے لگے: بعض زکاۃ وصول کرنے والے لوگ ہمارے پاس آتے ہیں اور ہم پر ظلم کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے زکوۃ وصول کرنے والوں کو راضی کیا کرو۔''

سیدنا جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث سنی ہے، تب سے میرے پاس سے جو کوئی زکوۃ وصول کرنے والا گیا تو وہ راضی ہی گیا۔

عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ ، قَالَ: سَمِعْتُ جَرِيرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ ، يَقُولُ يَوْمَ مَاتَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ ، قَامَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ، وَقَالَ: عَلَيْكُمْ بِاتِّقَاءِ اللّٰهِ

وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ، وَالوَقَارِ، وَالسَّكِينَةِ، حَتَّى يَأْتِيكُمْ أَمِيرٌ، فَإِنَّمَا يَأْتِيكُمُ الآنَ. ثُمَّ قَالَ: اسْتَعْفُوا لِأَمِيرِكُمْ، فَإِنَّهُ كَانَ يُحِبُّ العَفْوَ، ثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ! فَإِنِّي أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ قُلْتُ: أُبَايِعُكَ عَلَى الإِسْلاَمِ فَشَرَطَ عَلَيَّ: وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ فَبَايَعْتُهُ عَلَى هَذَا، وَرَبِّ هَذَا المَسْجِدِ! إِنِّي لَنَاصِحٌ لَكُمْ، ثُمَّ اسْتَغْفَرَ وَنَزَلَ. (صحيح البخاري: 58)

زیاد بن علاقہ سے روایت ہے کہ میں نے سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سنا: جس دن سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو وہ خطبے کے لیے کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور کہا: تم اللہ وحدہ لاشریک کے تقویٰ کو لازم پکڑو اور تحمل واطمینان سے رہو حتیٰ کہ کوئی حاکم (بن کر) آجائے کیونکہ وہ آنے والا ہے پھر انھوں نے فرمایا: اپنے مرنے والے حاکم کے لیے دعائے مغفرت کرو کیونکہ وہ بھی معافی کو پسند کرتا تھا، پھر کہا: اس کے بعد تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں نے ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کے پاس آکر عرض کیا: میں آپ سے اسلام پر بیعت کرتا ہوں۔ آپ نے مجھ سے ہر مسلمان کی خیر خواہی کے لیے شرط چاہی۔ پس میں نے اس شرط پر آپ سے بیعت کر لی۔ اس مسجد کے رب کی قسم! میں تمھارا خیر خواہ ہوں، پھر استغفار کیا اور منبر سے اتر آئے۔

اس اثر میں سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا جذبہ اتباع واضح ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جس شرط کا تقاضا ان سے کیا وہ اسی پر قائم رہے اور ہمیشہ لوگوں کی خیر خواہی کو پسند کیا۔

ابوالحسن انبالوی

ظہور احمد حضروی کے تناقضات...... پر ایک نظر

الحمدللّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علٰی رسول الأمین، أمابعد:

جب ظہور احمد صاحب اینڈ کمپنی محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریروں کا جواب دینے سے عاجز آ گئی اور لوگوں کے تقاضے سر چڑھ گئے تو انھوں نے اس کا یہی حل سوچا کہ حافظ زبیر علی زئی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر کو توڑ مروڑ کر ان کے تناقضات بنائے جائیں تا کہ اپنے حلقۂ احباب کو کچھ تسلی دی جا سکے۔

ع کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا
بھان متی نے کنبہ جوڑا

ظہور صاحب نے لکھا: ''زبیر علی زئی نے ایک روایت کے بارے میں لکھا ہے: یہ روایت حماد بن سلمہ کے اختلاط سے پہلے کی ہے۔ (حاشیہ جزء رفع الدین، ص ۴۷) اس بیان میں زبیر علی زئی تسلیم کر رہا ہے کہ حماد بن سلمہ کو عارضہ اختلاط (بدماغی) لاحق ہوا تھا، لیکن اس کے برعکس دوسری جگہ اس نے حماد بن سلمہ پر اختلاط کے الزام کی سختی سے تردید کی ہے، اور اس الزام کو مزعوم قرار دیا ہے۔ (الحدیث: ۲۸/ ۲۵، ۵۳) (تناقضا......ص: ۵۹)

تبصرہ:

''دوسری جگہ اس نے حماد بن سلمہ پر اختلاط کے الزام کی سختی سے تردید کی ہے'' ظہور صاحب کا سفید جھوٹ ہے، کیونکہ اگر سرے سے الزام کی تردید مقصود ہوتی تو شیخ محترم رحمۃ اللہ علیہ اس بحث میں نہ پڑتے کہ مختلط کی کون سی روایت صحیح ہوتی ہے اور کون سی ضعیف اور نہ اس سلسلے میں دلائل ہی پیش کرتے، محض حماد کو غیر مختلط ثابت کرنا ہی کفایت کر جاتا اور یہی ان کا مطمح نظر ہوتا۔

''مزعوم'' لکھنے کی وجہ خود شیخ محترم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھ دی کہ ''حافظ ثناء اللہ صاحب ابھی تک

یہ ثابت نہیں کر سکے کہ فلاں راوی نے حماد کے اختلاط سے پہلے سنا ہے اور فلاں راوی نے حماد کے اختلاط کے بعد سنا ہے'' (مقالات:۲/۴۱۳)

یعنی حماد بن سلمہ کے مختلط ہونے کا دعویٰ تو کر دیا لیکن یہ نہ بتا سکے کہ عبدالرحمٰن بن مہدی اور عفان نے ان کے اختلاط کے بعد سنا ہے، جبکہ اس کے برعکس حافظ زبیر علی زئی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ مذکورہ دونوں راویوں نے حماد کے اختلاط سے پہلے سنا ہے، چنانچہ آپ لکھتے ہیں: ''حماد بن سلمہ سے عبدالرحمٰن بن مہدی، عفان اور حسن بن موسیٰ کی روایات صحیح مسلم میں بطور حجت موجود ہیں۔ (تهذيب الكمال / موسسة الرسالة: ٢/ ٢٧٨؛ صحيح مسلم: ٢٩٧/ ١٨١ دارالسلام: ٤٤٩، ٣٤٧......)

صحیحین میں جس مختلط و متغیر الحفظ راوی سے استدلال کیا گیا ہے اس کی دلیل ہے کہ مذکورہ روایات قبل از اختلاط کی ہیں۔ دیکھئے مقدمہ ابن الصلاح (ص ۲۶۶ دوسرا نسخہ ۴۹۹)

خلاصہ یہ کہ روایت مذکورہ پر اختلاط کی جرح مردود ہے کیونکہ یہ اختلاط و تغیر سے پہلے کی ہے۔ والحمدللہ'' (فتاوی علمیه: ٢/ ٢٧١)

اب جو کوئی بھی تعصب کی عینک اتار کر مذکورہ عبارت پڑھے گا اس پر واضح ہو جائے گا کہ ''حماد بن سلمہ پر اختلاط کے الزام کی سختی سے تردید کی'' ظہور صاحب کا جھوٹ اور شیخ محترم رحمۃ اللہ علیہ پر صریح بہتان ہے۔

ظہور صاحب نے مزید لکھا: ''نیز حافظ ثناء اللہ، جنہوں نے حماد بن سلمہ پر اختلاط کا الزام عائد کیا اور اس کے مقابلے میں امام حاکم کا دفاع کیا، کی تردید میں زبیر علی زئی نے لکھا ہے: امام حماد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ خطائے کثیر اور اختلاط کا شکار ہوں اور امام حاکم ''لازوال قوت یادداشت کے مالک'' سبحان اللہ! کیسا زبردست انصاف ہے۔ (ایضًا: ٢٨/ ٥٧)

لیکن جب خود زبیر علی زئی حماد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ کو مختلط تسلیم کر چکا ہے تو پھر جو لوگ ان کو مختلط قرار دیتے ہیں، زبیر علی زئی کا اُن پر بے انصافی کا الزام لگانا، یہ کون سا انصاف ہے؟'' (تناقضات......ص:۵۹)

تبصرہ:

ظہور صاحب جب تک آپ لوگ تعصب و تنگ نظری نہیں چھوڑیں گے تب تک راہ

حق پر چلنے والوں کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے اور نہ درست وصواب بات آپ کی سمجھ میں آسکتی ہے۔اللّٰہ المستعان۔

مذکورہ عبارت میں اختلاط وعدم اختلاط کی بحث ہی نہیں تو ''انصاف'' پر سوالیہ ''؟'' نشان کیسا؟ جب مذکورہ سطور میں واضح کر دیا گیا ہے کہ محدث العصر رحمۃ اللہ علیہ نے حماد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ کے اختلاط کا انکار نہیں کیا تو یہ سینہ زوری کیوں؟

شیخ محترم رحمۃ اللہ علیہ نے انصاف کی بات کی تو اس کا مقصد یہی تھا کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے اوہام اوران پر اہل علم کے اعتراضات کونظرانداز کرنا اور حماد بن سلمہ کو مطلق مجروح ثابت کر کے امام حاکم کو ان پر فوقیت دینا مطلب برآری کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔

خلاصہ:

حماد بن سلمہ کے اختلاط کے سلسلے میں شیخ محترم رحمۃ اللہ علیہ کی قطعاً دو رائے نہیں اور نہ ظہور احمد صاحب کے بے جا اعتراض سے ان کا تناقض ہی ثابت ہوتا ہے، واللہ الحمد۔

ظہور صاحب تناقض (۷) کے تحت لکھتے ہیں: ''ابن عیاش کی بخاری میں روایات اس کو مفید بھی ہیں اور نہیں بھی......زبیر علی زئی نے ابوبکر بن عیاش کی مخالفت میں لکھا ہے: اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ جناب ابوبکر بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ کی صحیح بخاری میں تمام روایات شواہد و متابعات پر مشتمل ہیں، لہٰذا اگر وہ کسی روایت میں مفرد ہوں تو صرف اسی وجہ سے اسے صحیح نہیں قرار دیا جاسکتا کہ ابوبکر مذکور صحیح بخاری کے راویوں میں سے ہیں......'' (تناقضات......ص ۵۸)

تبصرہ:

مقام حیرت ہے کہ مذکورہ بات سے رجوع میں جو تحریر شیخ محترم رحمۃ اللہ علیہ نے صفحۂ قرطاس پر منتقل کی اُسی کو ظہور صاحب نے تناقض بنا ڈالا۔ (دیکھئے تناقضات......ص ۵۹)

ع جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

جو شخص مخالفت میں اس حد تک گر جائے کہ اعلان رجوع ہی کو تناقض بنانے کے درپے ہو جائے اس کی کسی بات پر یقین نہیں کیا جاسکتا اور اس طرح کی ردوبدل یہود یانہ روش ہے۔

شیخ محترم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمان: ''(ابن عیاش) اگر کسی روایت میں مفرد ہوں تو صرف اسی وجہ سے اسے صحیح نہیں قرار دیا جاسکتا کہ ابوبکر مذکورہ صحیح بخاری کے راویوں میں سے ہیں''

اس کا تعلق شیخ محترم رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی تحقیق سے ہے کہ جب وہ ابن عیاش کو جمہور کے نزدیک ضعیف سمجھتے تھے کیونکہ جمہور محدثین کے مقابلے میں محض امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تصحیح ناکافی تھی، بعدازاں تحقیق نو سے معلوم ہوا کہ ابن عیاش جمہور محدثین کے نزدیک موثق وصدوق ہیں تو شیخ محترم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مذکورہ تحریر سے رجوع کر لیا جسے بنیاد بنا کر اب ظہور صاحب تناقض ثابت کرنے کی کوشش میں ہیں۔

حافظ زبیر علی زئی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''تنبیہ بلیغ: راقم الحروف کی قدیم تحقیق یہ تھی کہ ابوبکر بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف راوی ہیں۔ بعد میں جب دوبارہ تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ وہ جمہور محدثین کے نزدیک صدوق ومُوَثَّق راوی ہیں، لہٰذا میں نے اپنی سابقہ تحقیق سے علانیہ رجوع کیا۔ دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۲۸ص ۵۴ (تحریر ۲۲ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ)

حق بات معلوم ہونے پر شیخ محترم رحمۃ اللہ علیہ نے سلف صالحین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی سابقہ تحقیق سے اعلان رجوع کیا اور یہی اہل حق کا شیوہ رہا ہے لیکن جب ظہور احمد جیسے لوگوں کو اور کچھ نہیں ملتا تو وہ اسی کو تناقض کا نام دے کر ڈھنڈورا پیٹتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے مفاد کے لیے تناقضات کا شکار ہیں والعیاذ باللہ۔

خلاصہ:

اب چونکہ دلائل سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ابوبکر بن عیاش کو جمہور محدثین نے صدوق وحسن الحدیث قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو: نور العینین جدید (ص ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰) لہٰذا شیخ محترم رحمۃ اللہ علیہ نے اعلان رجوع کے بعد اس عبارت کو بھی حذف کر دیا ہے جسے ظہور صاحب نے تناقض (۷) کے تحت نقل کیا ہے، ان لوگوں کو چاہیے تھا کہ اپنی کتاب شائع کرنے سے پہلے حافظ زبیر علی زئی رحمۃ اللہ علیہ کے تراجعات کو بھی مدنظر رکھتے کیونکہ نور العینین جدید شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی ہی میں چھپ گئی تھی جبکہ ظہور احمد دیوبندی کی کتاب شیخ محترم رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد پہلی دفعہ منظر عام پر آئی اور شاید یہ لوگ اسی انتظار میں تھے کیونکہ شیخ محترم کی تحریر کا علمی جواب ان کے بس میں نہ تھا۔ بہرصورت رجوع شدہ باتوں کو بنیاد بنا کر تناقصات شمار کرنا ظہور صاحب کی شدید تلبیس ہے، جیسا کہ حبیب اللہ ڈیروی دیوبندی نے بھی اس کا اقرار کیا ہوا ہے۔

MONTHLY ISHA'AT **AlHadith** HAZRO

- قرآن وحدیث اور اجماع کی برتری
دینِ اسلام اور مسلک اہل الحدیث کا دفاع
- سلف صالحین کے متفقہ فہم کا پرچار
- علمی، تحقیقی و معلوماتی مضامین اور انتہائی شائستہ زبان
- صحابہ، تابعین، تبع تابعین، محدثین اور تمام ائمہ کرام سے محبت
- صحیح وحسن احادیث سے استدلال اور ضعیف و مردود روایات سے کلی اجتناب
- اتباع کتاب وسنت کی طرف والہانہ دعوت
- مخالفین کتاب وسنت اور اہل باطل پر علم ومتانت کے ساتھ بہترین وبادلائل رد
- اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کو مدنظر رکھتے ہوئے اشاعت الحدیث
- قرآن وحدیث کے ذریعے سے اتحادِ امت کی طرف دعوت

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ ''الحدیث'' حضرو کا بغور مطالعہ کر کے اپنے قیمتی مشوروں سے مستفید فرمائیں، ہر مخلصانہ رائے اور مفید مشورے کا قدر وتشکر کی نظر سے خیر مقدم کیا جائے گا۔